# اِتحادی افسانے

## اوراقِ گمشدہ تاریخِ ہند

از

اظہر دہلوی

(محمدی پریس لاہور باہتمام ملک محمد شفیع پرنٹر کے چھپا اور چودھری محمد امین پبلیشر نے چھپوا کر شائع کیا)

# نذر

میں یہ اوراقِ اتحاد خیز، و محبت بیز، بایہ ادب و خلوصِ قلبی تمام اتحاد پسند و الفت پیشہ فرزندانِ مادرِ ہند، خصوصاً انسانیت دوست اور دشمن فرقہ داری نوجوان محبّانِ وطن، کی نذر کرتا ہوں،

(ع) زہے سعادت آں کس کہ عاشق وطن است

مادرِ ہند کا ایک حقیر فرزند

اظہر دہلوی

مئی ۱۹۳۹ء

لاہور

# اتحادی افسانے

## فہرست افسانہا


| نمبر شمار | عنوان | مضمون | صفحہ |
| --- | --- | --- | --- |
| ۱ | جاں نثاری | ایک ہندو مسلمان پر قربان ہوا | ۱۴ |
| ۲ | قول مرداں | مسلمان نے ہندوؤں کی مدد کی | ۲۰ |
| ۳ | انعام موافقت | سکھ نے مسلمان کی جاں بخشی کی | ۲۳ |
| ۴ | یگانے بیگانے | مسلمانوں نے سکھوں سے ہمدردی کی | ۲۹ |
| ۵ | تعاون | ہندو نے سکھ کی مدد کی | ۳۵ |
| ۶ | جاں سپاری | مسلمان سکھ اور ہندو کا تعاون | ۳۷ |
| ۷ | رحم ایرانی | ایک ہندو نے مسلمان کی جاں بخشی کی | ۴۱ |
| ۸ | ہندو مسلمان بھائی بھائی | مسلمانوں نے ہندوؤں کی مدد کی | ۴۵ |
| ۹ | حسن سلوک | سکھ نے مسلمانوں سے کیا سلوک کیا | ۵۷ |
| ۱۰ | انعام شجاعت | مسلمانوں نے سکھوں کی جاں بخشی کی | ۶۲ |
| ۱۱ | رشتہ اتحاد | ہندو نے سکھ کی مدد کی | ۶۶ |
| ۱۲ | حسن تدبیر | ہندو اور مسلمان نے سکھ کی مدد کی | ۶۹ |
| ۱۳ | دلیرو جری | مسلمان اور ہندو نے سکھ کی مدد کی | ۷۲ |
| ۱۴ | مسافر نوازی | ایک ہندو نے مسلم سیاح کی تواضع کی | ۷۸ |
| ۱۵ | ہمزلف | مسلمان نے ہندوؤں کو کیا کیا دیا | ۸۱ |
| ۱۶ | حق بحقدار رسید | سکھوں نے مسلمانوں کو عمارت واپس لائی | ۸۵ |

| نمبر | عنوان | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| ۱۷ | کمالِ انسانیت | مسلمانوں نے خطرے میں پڑ کر سکھوں کی جان بچائی۔ | ۹۰ |
| ۱۸ | ناظمِ ملتان | ہندو نے سکھ کی مدد کی | ۹۶ |
| ۱۹ | سچے موتی | ہندو نے مسلمان کو کیا تحفہ دیا۔ | ۹۹ |
| ۲۰ | حکمتِ عملی | مسلمان نے جان پر کھیل کر ہندو کی مدد کی | ۱۰۱ |
| ۲۱ | امداد | سکھوں نے مسلمانوں کی مدد کی | ۱۰۵ |
| ۲۲ | جاں بازی | مسلمانوں نے سکھوں پر جانیں قربان کیں | ۱۱۲ |
| ۲۳ | عطیہ | ہندو نے سکھ کی مدد کی | ۱۱۷ |
| ۲۴ | بدی کا بدلہ | سکھ نے ہندوؤں کی مدد کی | ۱۲۱ |
| ۲۵ | شرافت | ایک ہندو نے مسلم خاتون کی مدد کی | ۱۲۶ |
| ۲۶ | کرامتِ بت خانہ | مسلمان نے ہندو کی خاطر کیا کیا | ۱۳۰ |
| ۲۷ | شیرِ پنجاب کے خط و خال | سکھ نے مسلم کی امداد کی تو کیا انعام پایا | ۱۳۵ |
| ۲۸ | انجامِ ستم | مسلمانوں نے سکھ مظلوم کی مدد کی | ۱۳۹ |
| ۲۹ | انصاف | مسلمان نے ہندو کی مدد کی | ۱۵۱ |
| ۳۰ | ایثار | ایک ہندو اپنے مسلم آقا پہ قربان ہوا۔ | ۱۵۹ |
| ۳۱ | صاحب دیوی کی امداد | سکھوں اور مسلمانوں کا تعاون | ۱۶۳ |
| ۳۲ | بے غرض امداد | ایک ہندو نے ایک مسلمان کی امداد کیونکر کی۔ | ۱۷۰ |
| ۳۳ | قربانی | مسلمان نے ہندو کی مدد کی۔ | ۱۷۸ |
| ۳۴ | جاں بخشی | ایک سکھ نے مسلمان لڑکی کی جان بچائی | ۱۸۵ |
| ۳۵ | بے غرض خدمت | مسلمانوں نے سکھوں کی حمایت و مدد کی | ۱۹۰ |
| ۳۶ | قربانیاں | دو مسلمان ایک سکھ پر قربان ہوئے | ۱۹۳ |
| ۳۷ | نقشِ سنگی | مسلمانوں کا سلوک ہندوؤں کے ساتھ | ۱۹۶ |

# تعارف

از جناب ٹھاکر تیج رام صاحب سرور کلکوی مصنف "سوانح حیات مہاتما ہنسراج جی"

اُستاذی ادیب شہیر جناب حکیم اظہر صاحب دہلوی کی ذات سامی یقیناً میرے تعارف کی محتاج نہیں۔ آج حضرت کی شیوا بیانی، ادب نوازی، اور خاموش حب الوطنی سے کون ناواقف ہے۔ موصوف کم و بیش ثلث صدی سے متواتر علم و وطن کی مخلصانہ خدمت گزاری میں منہمک ہیں۔ چنانچہ اوراقِ صحائف اس کے شاہدِ عادل ہیں لہذا مجھے چند سطور صرف حکیم صاحب کی پیش نظر جدید تصنیف "اتحادی افسانے" کے متعلق لکھنی چاہئیں۔

میری خوش قسمتی ہے کہ حکیم صاحب کی عنایت سے مجھے اس کا مسوّدہ مطالعہ کرنے کا موقعہ قبلِ اشاعت ملا اور اس تصنیف کے ملاحظے نے نہ صرف میری آنکھیں کھول دیں بلکہ دل و دماغ کے اندر خوشگوار انقلاب پیدا کر دیا۔ ہم لوگ بالعموم جو کچھ پڑھتے یا سُنتے آئے ہیں۔ وہ مضمون کتاب ہذا سے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہے۔ تاریخ ہند ہمارے سکولوں میں بھی پڑھائی جاتی ہے اور کالجوں میں بھی لیکن اس کتاب کے اسباق کسی اور ہی چیز سے پُر ہیں۔ یورپین مورّخین کو نظر انداز کیجیئے کہ وہ تو جو کچھ لکھتے ہیں محض اپنی مخصوصہ مصالح کی بنا پر لکھتے ہیں لیکن ہندوستانی مورخین کے طرز عمل پر ماتم کرنے کا حق ہر فرزند وطن کو حاصل ہے۔ مگر وہ بیچارے بھی گویا معذور ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد اول نوکری و تجارت ہے اور یہ خوشنودی حکومت (یا کم از کم رضا جوئی محکمہ تعلیم) کے بغیر کیسے

ممکن نہ ہے۔ لیکن آج زمانہ بدل گیا ہے۔

صوبائی خود مختاری نے حالات بہت کچھ تبدیل کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اب تاریخِ ہند بھی مختلف نقطۂ خیال سے لکھی جا رہی ہے۔ مگر اس میں کافی وقت صرف ہو گا۔ اس واسطے اس وقفہ کے لئے اتحادی افسانے ایسی کتب بسا غنیمت بلکہ نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

مدت ہوئی مرحوم شبلی نعمانی نے ایک شعر کہا تھا۔ جو مجھے رہ رہ کر یاد آتا ہے کہ :-

تمہیں لے دے کے ساری داستان میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستم گر تھا

بس لے دے کے یہی سبق درسگاہوں میں طلبا کو پڑھایا گیا اور آج بھی وہی پڑھایا جا رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے جس کی نقاب کشائی "اتحادی افسانے" کر رہے ہیں۔

مسلمان کم و بیش آج سے بارہ صدیاں پیشتر وارد ہند ہو چکے تھے پھر زمانہ جس قدر آگے بڑھتا گیا ان کی تعداد زیادہ ہی ہوتی گئی۔ اس اثنا میں وہ محکوم بھی رہے اور حاکم بھی اور آج تو وہ بھی دیگر اہلِ ہند کی مانند محکوم و مجبور ہیں۔ تاہم ان کی تعداد ہندوستان کے اندر آٹھ نو کروڑ کے درمیان ہے جو ناقابلِ التفات نہیں!

اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قدیم زمانے میں جو مسلم بزرگ عرب یا افغانستان وغیرہ ممالک سے آئے تھے ان کی نسلوں کا گویا خاتمہ ہو چکا ہے (یا شاید ایک دو فیصدی باقی ہوں) یعنی موجودہ مسلم اکثریت ہندوستانی آبادی کا ہی ایک جزو ہے چنانچہ ڈاکٹر اقبال اگر ... پر ... ہیں۔

(یعنی سر تیج بہادر سپرو کے ہم جد) تو ڈاکٹر سیف الدین بھی کچلو ہیں یعنی کشمیری
برہمنوں کے ایک معزز خاندان کی یادگار۔

اسی طرح خوجے۔ لگے زئی۔ ارائیں۔ گوجر۔ جاٹ۔ مرہٹہ۔ روہیلے۔ گکھڑ
کھوکھر۔ کھتری۔ نبدیلے۔ بھٹیل گونڈ وغیرہ بہت سے مسلمان بھائیوں کی رگوں
میں ہندو بزرگوں کا خون رواں دواں ہے۔ اور مسلم راجپوتوں کی تعداد تو
ہندوستان میں کثیر ہے۔ پھر خوشی کی بات یہ ہے کہ اب اُن بھائیوں کے تعلقات
ہم ہندو راجپوتوں کے ساتھ روز بروز وسیع مخلصانہ اور برادرانہ ہوتے جا
رہے ہیں۔ جو نہایت مبارک فال ہے (یہاں پر بطور جملہ معترضہ مجھے یہ کہنا ہے کہ اس
کتاب کے مصنف جہاں ایک ہندوستانی مادرِ وطن کے سعادت مند و وفادار
فرزند اور فرقہ داری کے دشمن ہیں وہاں وہ سچے راجپوت بھی ہیں اور وہ اپنے راجپوت
بزرگوں کے کارناموں پر کچھ کم فخر نہیں کرتے اور اُن کے تعلقات ہم ہندو
راجپوتوں کیساتھ برادرانہ اور مخلصانہ ہیں۔ مگر یہ امر عجیب نہیں کہ ترکی اور ایران
میں بھی تو یہی ہو رہا ہے۔ حکیم صاحب ہندو مسلم اتحاد کے عملی حامی ابتدا ہی سے ہیں)

ہندو اور مسلم کم و بیش بارہ صدیوں سے بطور ہمسایہ و رفیق ہند میں آباد ہیں۔ پس
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی طویل مدت اُن کے درمیان عدم تعاون اور منافرت ہی
رہی ہو۔ نہیں یہ سراسر غلط ہے چنانچہ اس کتاب کے مصنف دیباچے میں ارقام فرماتے ہیں کہ

"غور و خوض کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ تاریخ ہند میں خوشگوار اور مبارک واقعات کی بھی
کمی نہیں رہی ہے چنانچہ ہندوؤں نے ایک بار نہیں ہزار بار مسلمانوں کی امداد (بغیر ضمانہ)
کی اسی طرح جب بھی موقعہ آیا مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی مخلصانہ خدمت سے
دریغ نہیں کیا۔ بلکہ غیر معمولی ایثار دکھایا اور قربانیاں کیں۔ علےٰ ہذا القیاس
سکھوں نے بھی حسب موقعہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی اور مسلمانوں نے سکھو

اور ہندوؤں کی اہم مدد کی"۔

یہ بات بظاہر عجیب ہے اور آج کل کی فرقہ پرستی کے دور میں تو اس کا یقین ہی مشکل ہے تاہم یہ امر واقعہ ہے اور حقیقت نفس الامری چنانچہ "اتحادی افسانے" جن کا ایک ایک حرف واقعات تاریخ ہند پر مبنی ہے اس امر کا زبردست ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

پریس اور پلیٹ فارم سے بارہا کہا گیا (اور یہ مسلمہ حقیقت ہے) کہ فرزندان ہند کا باہمی اتفاق و اتحاد اہل ہند کی سیاسی نجات اور تمدنی ترقیات کیلئے اشد ضروری ہے اور نااتفاقی فرقہ پرستی نے تو ملک و قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ لہذا اس کا جلد خاتمہ ہونا چاہیئے۔ پس مبارک ہیں وہ ہستیاں جو فرقہ داری کے خلاف آواز اٹھاتی اور اتفاق و اتحاد کے واسطے جدوجہد کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے اس کتاب کے فاضل مصنف مستحق صد ہزار تحسین و آفرین ہیں اور یہ تصنیف قابل قدر! اور اس کی توسیع اشاعت میں کوشاں ہونا ہر فرزند وطن کا اولین فرض ہے۔

اگر یہ کتاب کانگرسی صوبجات کے تعلیمی اداروں میں بھیجی جائے تو یہ امر یقینی ہے کہ ضرور نصاب تعلیم میں شامل کر لی جائیگی۔ اور ہم مصنف صاحب کو یہ مشورہ دیتے ہیں مگر چونکہ یہ کتاب دارالحکومت پنجاب سے شائع ہو رہی ہے۔ لہذا ہیں حکومت پنجاب، یونینسٹ پارٹی کے ارکان، نیز سررشتہ تعلیم پنجاب سے سفارش کرونگا کہ وہ "اتحادی افسانے" ضرور شامل درسیات کریں! یہ ظاہر ہے کہ کتاب ہذا یونینسٹ وزارت اور یونینسٹ پارٹی کے پروگرام کا ایک اہم جزو پورا کرتی، ایک خاص خدمت انجام دیتی ہے۔ اور مشکلات کم کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے!

پنجاب اور ہندوستان کے باقی صوبجات سے بیشمار کتب شائع ہوتی ہیں۔ افسانے بھی معرض وجود میں آتے ہیں۔ مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ ان

ہیں سے مُلک و قوم کے حق ہیں مفید۔ بہت کم ہوتے ہیں۔ عاشقانہ اور نیم فحش مضامین کے صحائف مُلک کو بجائے فائدہ، نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لہذا اس صیغے ہیں بھی اصلاح (بلکہ انقلاب) کی ضرورت ہے۔ جس کی بُنیاد "اتحادی افسانے" کے قابل مُصنف نے ڈالی ہے امید ہے کہ یہ چیز دیگر اہلِ قلم کے واسطے بھی خضرِ راہ ثابت ہو گی۔

کچھ شک نہیں کہ "اتحادی افسانے" ایک اہم اور مفید تصنیف ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ مُلک و قوم اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر مُصنف کی حوصلہ افزائی کرینگے تاکہ وہ اس میدان ہیں مزید پیش قدمی کرنے کی جرأت کر سکیں۔

خادم

سرور

(گلوی)

۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء

لاہور

# تقریب

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

اقوام ہند کے باہمی نفاق، اور فرقہ پرستی نے عزیز وطن کو جسقدر نقصان پہنچایا
اُس کی یاد ہر فرزند وطن کو اشک خونیں رولاتی ہے مزید افسوس یہ کہ ان مکروہات
و بدعات کا خاتمہ آج بھی نہیں ہوا۔ بلکہ یہ آتش سوزاں آج بھی خرمن امن و
امان کو دعوت فنا دے رہی ہے۔ پھر ہمارا صوبہ تو اس معنی میں نکو ہے۔ چنانچہ
بعض تو پنجاب کو ہندوستان کا السٹر یعنی (قومی غلامی کا واحد ذمہ وار)
قرار دیتے ہیں۔ مگر آپ ذرا اپنے دل سے ہی پوچھیئے کہ کیا اس میں کچھ مبالغہ ہے؟
واقعات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ہندوستان کے دیگر صوبجات ہم سے
آگے نہیں نکل گئے؟ اور تو اور ہم صوبہ سرحد سے بھی پیچھے رہ گئے۔ کیا اُجڈ افغان،
تعلیمیافتہ پنجابی سے بازی نہیں لے گیا؟ صوبجات متحدہ اور سرحد کا آگے بڑھ
جانا۔ اور درمیانی صوبے (پنجاب) کا پسماندہ رہ جانا، کیا ایک ایسا حادثہ نہیں کہ
ہر پنجابی اس پر شرمسار ہو۔ عام خیال یہی ہے اکثر اخبارات بھی یہی لکھ رہے ہیں۔
دُنیا کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ افراد و اقوام کی ہر نوع کی ترقی و کامیابی
کا انحصار، باہمی اعتماد و اتحاد اور اتفاق پر ہے۔ اور اس کے خلاف باہمی
نااتفاقی تباہ کن ہے۔ قدیم و جدید تاریخ، اسی اصول کی تصدیق و توثیق کرتی
ہے۔ تاریخ ہند بھی اسی کی شاہد ہے۔ ماضی کو جانے دیجئے! کیا حال اس امر

کی شہادت نہیں پہنچا رہا! حقیقت یہ ہے کہ خانہ جنگی سے ملک و قوم کو غیر معمولی اور ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہے!

خیر ما مضی ما مضی اب اشد ضرورت ہے کہ ابنائے وطن اپنے حلال فرض کا صحیح احساس کرتے ہوئے عزیز وطن سے نا اتفاقی اور فرقہ واری کی بھوت جلد تر نکال باہر کریں تاکہ ہمارے صوبے میں اتفاق و اتحاد کا دور دورہ ہو اور ہم سب برکات تعاون و امداد سے بہرہ یاب ہو سکیں!

ہم سب جانتے ہیں کہ دیگر صوبجات ہند کی مانند پنجاب کو بھی خود مختاری مل چکی ہے چنانچہ یہاں یونینسٹ پارٹی کی وزارت و حکومت قائم ہے۔ یا بالفاظ دیگر اہل پنجاب کی قسمت مسلم۔ ہندو اور سکھ وزراء کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی خود اقوام پنجاب کے تصرف میں (کیونکہ وزراء ابنائے صوبہ کے منتخب کردہ ہیں) باایں ہمہ یہاں کے موجودہ حالات دیگر حصص ہند سے مختلف ہیں!

افسوس! کہ ہمارے صوبے میں برق فرقہ واری ہنوز خرمن امن کو سوختہ کر رہی ہے۔ آہ! مذہب کے نام پر کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے (حالانکہ حکومت پنجاب اس کے استیصال کی جدوجہد آج بھی تو کر رہی ہے) چنانچہ یونیٹی کانفرنس کے قیام کی غرض و غایت محض یہی ہے اور یہ کس قدر مبارک و مفید سعی جمیل ہے!

ہر اس شخص کا (جو سرزمین پنجاب میں سانس لیتا ہے) فرض ہے کہ وہ بھی فرقہ واری کے خلاف اور باہمی تعاون و اتحاد کے حق میں بیش از بیش جدوجہد کر کے اپنا فرض ادا کرے مجھے بھی تو اسی غرض نے اس کتاب کی تدوین و اشاعت پر آمادہ کیا ہے (کیونکہ میں بھی کم و بیش تہائی صدی سے اسی سرزمین کی آب و ہوا میں زندگی بسر کر رہا ہوں) پنجاب کا مجھ پر بھی حق ہے۔

اس کتاب "اتحادی افسانے" کی بنا بالعموم واقعات تاریخ ہند پر رکھی گئی ہے (جیسا کہ اس کے مطالعہ سے واضح ہوگا) اگرچہ ہمارے سکولوں اور کالجوں میں تاریخ ہند کا مطالعہ عام ہے تاہم یہ کتاب بعض خصوصیات کی حامل ہے۔ ہم نے تاریخ کا صرف روشن پہلو لیا ہے اور اسے خاص دل کشی کے ساتھ خوب نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی (ع) گل چن لئے ہیں ہم نے کانٹے

اب شاید یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آجتک تاریخ ہند کا تاریک و غلط پہلو، ہی روشن پہلو کو دبا رہا ہے۔ اور یہ امر بیشک انتہائی قابل تاسف ہے جسنے ہمارے وطن کو بہت ضرر اور آزار پہنچایا۔ ہاں تو کیا موجودہ کشمکش، اسی درخت کا پھل نہیں ہے!

طویل مطالعہ اور عمیق غور سے معلوم ہوا کہ تاریخ ہند کا دامن خوشگوار اور مبارک واقعات سے بھی خالی نہیں! چنانچہ اوراق تاریخ ہند دُنیا کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہندوؤں نے ایک بار نہیں (ہزار بار) مسلمانوں کی امداد (بے غرضانہ) کی۔ اسیطرح جب موقعہ آیا مسلمانوں نے (ہندوؤں کی) مخلصانہ خدمت سے دریغ نہیں کیا۔ بلکہ غیر معمولی ایثار دکھایا اور قربانیاں کیں علی ہذالقیاس سکھوں نے حسب موقعہ و محل (مسلمانوں) اور (ہندوؤں) کی۔ اور مسلمانوں نے سکھوں اور ہندوؤں) کی مدد کی اور یہ "اتحادی افسانے" انہیں باتوں کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں!

اب تک یہی سمجھا جاتا رہا تھا کہ بر اعظم ہند کی یہ عظیم الشان اقوام، صرف باہم عدم تعاون۔ یا جنگ و جدال ہی کرتی رہی ہیں۔ لیکن یہ زریں سلسلہ (اتحادی افسانے) دنیا کو بتا رہا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں اور سکھوں کا سلسلۂ تعاون و محبت، صدیوں سے آجتک جاری ہے

اتحادی افسانے فرزندان ہند کے باہمی تعاون۔ امداد۔ ہمدردی۔ رواداری بے تعصبی۔ وسیع القلبی۔ اور روح انسانیت کی دلکش داستان سے لبریز ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ابنائے وطن کو بے تعصبی اور باہمی محبت کا قیمتی سبق پڑھائیگی خصوصاً اس کا مطالعہ نونہالان یا نوعِ ہند کے دماغ روشن اور دل وسیع المشرب بنا دیگا۔ تعصب، آیندہ ان کے گلے کا ہار نہیں بن سکے گا۔ پھر جب یہ ہوگا تو ہمارے نوجوان کامل امن پسند شہری بن سکیں گے۔

اور یہی سب سے بڑی آرزو ملک و قوم بلکہ حکومت کی ہے جسکے حصول کے واسطے جد و جہد جاری ہے۔

(یہ اتحاد می افسانے) کیا ہیں؟ رنگین گلدستے! نہیں نہیں گلزارِ ہمیشہ بہار جس کے دلکش پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اہلِ ہند کے دل و دماغ، عطرِ محبت واخوت سے معطر کر دے گی! کاش میری یہ توقع پوری ہو! . . . . .

اگر ایسا ہوا تو میں اپنی اس ناچیز خدمت پر فخر و ناز کروں گا

مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ شاید یہ سادہ (مگر مفید) تحریر بعض رنگین مزاجوں کو "رنگینیت انشائے لطیف" (مہملیت و لغویات) روایتی افسادنیت" اور آرٹ سے مُعرا نظر آئے۔

مجھے اعتراف تقصیر ہے! بیشک میں نے مذاق عوام کو دعوت نہیں دی یعنی اپنی کتاب نیم فحش بنانے کی سعی مگر وہ نہیں کی۔ کیونکہ مقصود بالذات ضیافت طبع یا دماغی عیاشی سے بہت بالاتر ہے۔ یعنی قوم کو محض سبق فراموش محبت واخوت کی یاد دہانی کرانا میری تمنا ہے (اور یہی میری جد وجہد بھی ہوگی) کہ یہ کتاب ہندوستان کے گوشے میں پہنچائی جائے۔ اس کے تراجم۔ دیگر ہندی وغیرہ دیسی زبانوں میں بھی شائع کئے جائیں گے! تاکہ میری کمزور آواز، آوازِ مادرِ ہند کے ہر فرزند و دختر تک پہنچ سکے۔ چونکہ اس کتاب کو عورات اور بچگان تک پہنچانا بھی مقصود ہے۔ لہٰذا اس کی اشاعت ایسے ہی پیرائے (خالی از عشق) میں قرین مصلحت سمجھی گئی ہے اپنی اپنی سمجھ ہے۔ فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست! عزیزو! یہ یاقوتی لذت بخش یا مدہوش کن عرقِ انگوری نہیں ہے۔ بلکہ وہ دوائے "تلخ (مگر صحت بخش ہے) بیمارِ ملک و قوم کے لئے۔ اور بس!

ایک حقیر فرزند مادرِ ہند
(حکیم مظفر حسین اظہر
سابق ایڈیٹر اخبار اتفاق لاہور

مئی ۱۹۳۹ء

# اتحادی افسانے

## ۱۔ جان نثاری

### ہندو مسلمان پر قربان ہوا۔

(۱)

(شاہ دہلی) معین الدین اکبر شاہ قلعہ معلّٰی کے دیوان خاص میں جلوہ فرما ہیں۔ اور پنڈت رام موہن رائے بنگالی ان کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں۔

بادشاہ۔ یا بدولت نے تمہاری قابلیت کی بڑی تعریف سنی ہے اور ایں جانب کو بتایا گیا ہے کہ تم یہ خدمت بہ احسن وجوہ سرانجام دے سکتے ہو۔

پنڈت رام موہن رائے۔ حضور کی ذرہ نوازی ہے۔ خادم کو جو حکم ہوگا سر آنکھوں سے کریگا۔

بادشاہ۔ ہمیں بھی تم سے یہی توقع ہے۔ اب تم انگلستان روانہ ہو جاؤ اور وہاں کے بادشاہ کو تمام حالات سے مطلع کرو۔ تمام ضروری کاغذات۔ اور سامان اور زرکثیر مہیا کیا جائیگا۔ دو مشیر کار بھی ساتھ

جائیں گے۔ کمپنی نے مابدولت کے اختیارات بہت ہی محدود کر دیئے ہیں۔ اُن میں اضافہ ہونا چاہیئے۔ اور اس جانب کے وظیفے کی مقدار بھی بڑھنی چاہیئے۔ پس آپ کو انہیں امُور کی کوشش کرنی ہوگی

رام موہن رائے۔ میں دل و جان سے کوشش کروں گا اور یقیناً کامیاب ہونگا۔

بادشاہ۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ اس وقت مابدولت تمہیں راجہ کا خطاب عطا کرتے ہیں۔ بعد ازاں بہت کچھ انعام و اکرام دیا جائیگا اطمینان رکھو۔

رام موہن۔ بادشاہ زندہ باد پائندہ باد!

بادشاہ۔ اخراجات کے واسطے ایک لاکھ روپیہ خزانہ عامرہ سے مل جائیگا۔

(۲)

شہزادہ معین الدین (اکبر شاہ) اپنے باپ شاہ عالم کے بعد تخت دہلی پر بیٹھا۔ وہ دراصل برائے نام (یا صرف قلعۂ دہلی) کا بادشاہ تھا انگریز اُسے پنشن دیتے تھے۔ اُس کا باپ شاہ عالم بھی پنشن لیتا رہا تھا۔

جب (مسلم) ظالم غلام قادر روہیلے نے شاہ عالم کی آنکھیں خنجر سے نکالیں اُس وقت مرہٹوں (ہندوؤں) نے بوڑھے اور نابینا بادشاہ کی امداد کی حتیٰ کہ غلام قادر کی قید سے نکالا۔ اُس وقت بادشاہ بہت تنگ دست اور بے اختیار تھا۔

۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے بادشاہ کو اپنی سرپرستی میں

اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ پھر اس کا بیٹا اکبر شاہ بھی پنشن لیتا رہا۔

اس وقت سے عملاً ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھ آئی۔ اور اس کے بعد ہند کے سیاہ و سفید کے مالک انگریز ہی بن گئے

(۳)

رام موہن رائے ۱۷۷۲ء میں قصبہ رادھا نگر (ہگلی بنگال) کے اندر ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے بزرگوں میں سے پنڈت کرشن چند بنرجی یہ عہد اورنگ زیب عالمگیر نواب مرشد آباد کے دربار میں ملازم ہوئے اور خدمات عالیہ کے صلے میں رائے کا خطاب پایا پنڈت برج بنود نواب سراج الدولہ کی سرکار میں اعلےٰ عہدوں پر سرفراز رہے۔ رام موہن کے باپ کا نام (رام کانت رائے تھا) وہ بھی نواب مرشد آباد کی سرکار میں ملازم رہے۔

رام موہن نے بنگالی کے بعد فارسی پڑھی۔ پھر پٹنے میں عربی کی تعلیم پائی۔ اور اس کے چند روز بعد وہ بت پرستی کے مخالف ہو گئے اُسی زمانے میں آپ نے بنارس جاکر سنسکرت زبان حاصل کی وہ ابتدا میں بڑے مذہب پرست تھے سنیاس لینا بھی چاہتے تھے۔ مگر ان کی ماں نے بڑی مشکل سے باز رکھا۔

اب وہ بہت سے ہندو رسم و رواج کے مخالف ہو گئے۔ اور بت پرستی کے خلاف تو ایک کتاب لکھ ڈالی۔ مگر یہ دیکھ کر اُن کے ہاں سخت ناراض ہوئے تو رام موہن گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور مختلف شہروں میں سفر اور مذہبی تحقیقات کرتے ہوئے تبت جا پہنچے

اور وہاں کی زبان سیکھی۔ پھر وہاں کے مذہب کے خلاف آواز اُٹھائی
اس لئے اہلِ تبت آپ کے دشمن ہو گئے۔ مگر وہاں کی اکثر عورتوں
نے اُن کی حمایت و امداد کی۔ وہ حقوقِ نسواں کے زبردست حامی
تھے۔

ان کے باپ تلاش کرتے کرتے تبت پہنچے اور انہیں واپس
لائے۔ وہ جدائی گوارا نہ کر سکے۔ پہلے تو مذہبی جوش میں نکال دیا تھا
مگر پھر وہ ڈھونڈنے نکل پڑے اور واپس لاکر ہی چین سے بیٹھے۔

موہن رائے کی شادی نو برس میں دوبار ہوئی۔ پہلی بیوی مر
چکی تھی۔ اور پھر ایک اور شادی کی گئی۔ اُس زمانے میں برہمن جات کے
بنگالی بیس اور تیس تک شادیاں کر لیا کرتے تھے۔

اختلاف خیال کی بنا پر موہن رائے پھر گھر سے نکلے۔ اس وقت
اُن کی عمر ۱۵ سال تھی۔ پھر تبت میں کئی سال رہے۔ بعد ازاں واپس
آکر بنارس میں قیام کیا۔ اِن کے والد کا انتقال ہوا تو انہیں جائداد سے
کچھ حصہ نہیں ملا۔ سب کچھ ان کا بھائی جگن موہن سنبھال بیٹھا

رام موہن ۱۸۰۱ئہ میں سرکاری ملازم ہوئے۔ اب انہوں نے
انگریزی پڑھنی شروع کی اور اس میں کمال حاصل کیا۔ تیرہ سال
کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور اصلاح بدرسوم میں ہمہ تن مصروف
ہو گئے۔" انہوں نے قانون دانی میں بھی اعلیٰ قابلیت حاصل کی
اور اس سلسلے میں کافی روپیہ پیدا کیا۔ اُن دنوں وکیل مختار
وغیرہ نہیں تھے۔

لوگ ان کے خیالات کی وجہ سے اُن کے خلاف بلکہ اُن کی جان

تک کے دشمن ہو گئے۔ حتیٰ کہ انہیں اپنی حفاظت کے واسطے اپنے پاس پستول رکھنا پڑتا تھا۔ ان کی ماں بھی سخت خلاف تھیں اور انہیں عیسائی کہا کرتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنا موروثی مکان بھی چھوڑ دیا۔ اور مرگھٹ کے قریب جا رہے۔ بعض لوگ اُنہیں مسلمان کہتے تھے۔

(۴)

آج ہی رام موہن رائے کے بڑے بھائی جگن موہن کا انتقال ہوا ہے۔ اور اس کی بیوی ستی ہونا چاہتی ہے۔ مرگھٹ میں اس کا جنازہ موجود ہے۔ اور چِتا میں رکھ کر اس میں آگ لگا دی گئی ہے۔ عورت چیخ اور چلا رہی ہے وُہ مرنا نہیں چاہتی اس لئے اٹھنے کی کوشش کر رہی ہے

رام موہن نے اُسے پہلے سمجھایا تھا کہ ستی نہ ہو۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اب تکلیف ہوئی تو جان چھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر رہائی نا معلوم۔

یہ دیکھ کر رشتہ داروں نے اُس کے بانس مارنے شروع کئے علاوہ ازیں خوب ڈھول اور جھانجیں بجائیں۔ یہاں تک کہ اُن کی آوازوں میں بے چاری عورت کی آواز دب گئی۔ اور آخرکار راکھ کے ڈھیر کے سوا وہاں کچھ باقی نہیں رہا۔

موہن رائے۔ یہ دردناک نظارہ دیکھ کر بولے۔ آہ بے کس عورتوں پر کس قدر ظلم و ستم ہو رہے ہیں۔ یہ کیسی وحشیانہ رسم ہے۔ خیر میں جب تک یہ بند نہ کرا لوں گا۔ چین سے نہیں

بیٹھوں گا

(۵)

راجہ رام موہن رائے ۱۸۳۱ء میں انگلستان پہنچے۔ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ شاہ اکبر کی پنشن کے متعلق خوب جا جہد کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے وظیفہ میں تیس لاکھ روپیہ کا اضافہ ہوا۔

راجہ صاحب شاہ انگلستان ولیم چارم کی رسم تاجپوشی میں شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں راجہ صاحب کو ہندستان کے پولیٹیکل معاملات میں رائے دینے کا حق دیا گیا چنانچہ انہوں نے ۱۸۳۲ء میں ہوس آف کامنز والی کیٹی میں، ہندوستان کے سود و بہود کے واسطے نہایت عمدہ تجاویز پیش کیں۔ اور ۱۲۵ سوالات کے جواب نہایت معقول دیے

راجہ صاحب نے برسٹل میں، ۲۷ ستمبر ۱۸۳۳ء میں وفات پائی۔ اور پھر انہیں پیارا ہندوستان دیکھنا نصیب نہیں۔ وہ اس وقت اپنے انگریز دوستوں کے ہاں مقیم تھے۔

راجہ صاحب کو شاہ دہلی کی طرف سے معقول وظیفہ ملتا تھا۔

راجہ صاحب بڑے لائق بے تعصب اور ہندوستان کے سچے دوست تھے انہوں نے بہت سی بدرسوم کے خلاف جدوجہد کی۔ اور اُن کا انسداد کیا۔ رسم ستی کے خلاف قانون بنوایا اور وہ ظالمانہ رسم ہمیشہ کیواسطے بند ہو گئی۔ راجہ صاحب نے اس کے متعلق بڑی جدوجہد کی۔ مگر جاہل بے سمجھ لوگوں نے ان کی سخت مخالفت کی۔ اور انہیں ایذائیں دیں۔ تاہم انہوں نے ہمت نہیں ہاری راجہ صاحب بنی نوع انسان کے سچے خیر خواہ اور نہایت بے تعصب انسان تھے

برہم سماج مت کے بانی۔ راجہ رام موہن رائے ہی ہیں۔

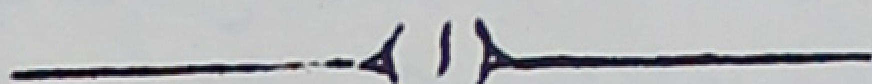
راجہ صاحب۔ بادشاہ کے کام پر انگلستان گئے تھے۔ مگر زندہ واپس نہیں

آسکے۔ وہ ہندو ہوتے ہوئے بھی مُسلم بادشاہ کے مقاصد پر قربان ہُوئے تاریخ ہند میں ایسی نظیریں بے شمار ہیں۔ مگر ہم بھول گئے ہیں۔



# ۲۔ قولِ مرداں

## مُسلمان نے ہندو کی مدد کی



جیسلمیر (راجپوتانہ) کے قلعہ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر نواب محبوب خاں کا فوجی کمپ ہے۔ خلجیوں کے لشکر نے مُدت سے قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے۔

**نواب محبوب خاں۔** اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک راجپُوت اُن کے سامنے ادب سے کھڑا ہے۔ یہ رانا مولراج کا بھائی رانا رتن کا ملازم ہے۔ جو اپنے آقا کا ایک اہم خط نواب صاحب کی خدمت میں لایا ہے۔

**نواب محبوب خاں۔** تمہارے آقا رتن نے درخواست کی ہے۔ کہ اِن کے دونوں لڑکوں کو صیحح سلامت نکل جانے دیا جائے۔

**راجپوت۔** جی! جناب سے ایسی مہربانی کے اُمیدوار ہیں۔

**نواب۔** ہم بھی اس کے واسطے تیار ہیں۔ رانا صاحب اُن کے لینے کے واسطے اپنے آدمی بھیج دیں۔ ہم اُن کے ہمراہ بچوں کو روانہ کر دیں گے۔

راجپوت۔ حضور کی بڑی مہربانی ہوگی۔

نواب۔ رانا صاحب سے ہم دبنا کہ ہمیں ان کی خاطر منظور ہے۔ ہم اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ شہزادوں کو بھیج دیا جائے گا۔ اور اُن کا بال بینگا نہ ہوگا۔

راجپوت۔ واہ شریف ہوں تو ایسے ہی ہوں۔ سچی بہادری یہی چیز تو ہے۔

(۲)

دو لڑکے (جن میں سے ایک کی عُمر کوئی دس سال اور دوسرے کی آٹھ سال ہے) نواب محبوب خاں کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور نواب صاحب شفقت اور پیار سے اُن کے سر پر ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ یہ دونوں رانا رتن سی کے فرزند ہیں۔ ایک کا نام گورا اور دوسرے کا نام کنور ہے۔

نواب۔ بچو! زندہ رہو۔ پھولو پھلو اور اپنے ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ جاؤ! خیریت سے سدھارو۔ ہم نے حفاظت کا کافی انتظام کر دیا ہے

(۳)

علاءالدین خلجی شاہ دہلی کے سپہ سالار نواب محبوب خاں نے اپنے آقا کے حکم سے ۱۲۹۰ء میں جیسلمیر کے قلعہ پر حملہ کیا۔ یہ ریاست راجپوتانہ میں واقع ہے۔

طویل جنگ وجدل ہوئی۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ راجپوتوں نے اپنی روایتی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ محاصرین کامل نو برس تک قلعہ فتح نہیں کر سکے۔ مگر راجپوت محصور ہو جانے پر مجبور ہو گئے۔

جب محاصرین کی سختی کی وجہ سے باہر سے امداد جانی بند ہو گئی اور

محصورین کا سامان رسد بھی ختم ہونے لگا تو رانا مولراج کے بھائی رتن سی نے نواب محبوب خاں سے اپنے بچّوں کے قلعے سے باہر جانے دینے کی درخواست کی جسے نواب نے قبول کر لیا۔

جب کم سن راج کنوار قلعے سے باہر آئے تو نواب نے حسب وعدہ اُنھیں رانا کے پاس جانے دیا۔ بلکہ اُن کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آئے اور اُن کا شاندار استقبال کیا۔

نواب صاحب نے شہزادوں اور ان کے رفیق راجپوتوں کے خورد نوش کا بھی معقول انتظام کر دیا تھا۔

ان بچوں کی تعلیم و تربیت دہلی میں شاہی اہتمام سے ہوئی۔ دو برہمن اُن کو تعلیم دیتے تھے۔ آگے چل کر ان دونوں شہزادوں نے عظیم الشان شاہی خدمات انجام دیں۔ جس کے صلے میں بادشاہ نے خوش ہو کر جیسلمیر کی ریاست راج کنوار گورسی کے حوالے کر دی اور قلعہ کی از سرِ نو مرمت کرائی۔

سلطان علاء الدین خلجی، جلال الدین کے بعد ۱۲۹۶ء میں صاحب تخت ہوا۔ اس سے پیشتر اُس نے ۱۲۹۲ء میں دکن پر کامیاب فوج کشی کی تھی اور اُس نے حکومت کے زمانے میں شراب نوشی اور قمار بازی قطعاً بند کرا دی تھی۔

# ۳۔ انعامِ صداقت

## سکھ نے مسلمان کی جان بخشی کی

(۱)

رام لبھایا۔ خاں صاحب! کل تو آپ کے گھر میں بڑی چہل پہل تھی! کیا معاملہ تھا؟

سالار خاں سوار۔ میں نے بڑے پیر کی گیارہویں شریف کی تھی۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا تھا۔

رام لبھایا۔ کل تمہارے گھر پر چیل کوے بھی بڑے منڈلا رہے تھے۔

سالار خاں۔ چیل کوے تو کھانے کی چیزوں پر آتے ہیں۔ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ پنڈت جی؟

پنڈت جی۔ پلاؤ پکا ہو گا۔ پلاؤ!

سالار۔ ہاں! پلاؤ ہی پکایا تھا۔

پنڈت جی۔ ماس والا پلاؤ۔

سالار۔ جی ہاں!

پنڈت جی۔ چیل کوے گوشت ہی پر زیادہ آتے ہیں۔!

سالار۔ سچ ہے پنڈت جی۔

پنڈت۔ میاں جی! تم نے ایک گائے بھی تو پال رکھی ہے

سالار۔ جی!

پنڈت۔ پھر اب وہ کہاں ہے۔ نظر تو نہیں آتی پہلے ہر روز یہیں تو بندھی رہتی تھی۔

سالار۔ (ذرا گھبرا کر) گائے! —— وہ تو میں نے چرائی کے واسطے گاؤں بھیج دی ہے۔!

پنڈت۔ ضرور بھیج دی ہوگی۔! کیا شک ہے!

سالار۔ تو کیا آپ کو اس بات میں شبہ ہے! میں تو سچ کہتا ہوں

پنڈت۔ کیوں نہیں! آپ تو بڑے ہی سچے آدمی ہیں۔! میاں جی! میں سارا معاملہ سمجھ گیا ہوں۔ اب تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔!

سالار۔ دھوکا کیسا! میں آپ کو کیوں دھوکا دیتا! آج آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتیں۔!

پنڈت۔ سمجھ میں نہیں آتیں! میں تمہارا جرم سمجھ گیا ہوں اور اس کی اطلاع مہاراجہ کو دیئے بغیر ہرگز خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔!

سالار۔ مگر میں تمہاری بات اب بھی نہیں سمجھا ۔ ؟

پنڈت۔ تو اب سمجھو۔! تم نے گئو ہتیا کر کے گیارہویں کی ہے مگر تم خوب جانتے ہو کہ اس جرم کی سزا موت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔!

سالار۔ (کانپ کر) پنڈت جی! میں نے آپ سے حالات چھپانے کی کوشش کی مگر افسوس کہ کامیاب نہیں ہوا۔ میں آپ کا ایک غریب ہمسایہ ہوں۔ اور اب میری جان اور عزت آپ ہی کے قبضے میں ہے۔ مگر مجھے آپ سے

اُمید ہے کہ آپ میری پردہ پوشی کریں گے۔!

پنڈت۔ اب آئے۔ میاں جی ڈھب پر۔ کہنے لگے کہ پردہ پوشی کریں گے۔ کیا خوب!

سالار۔ پنڈت جی! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ کام مجبوراً کیا ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ میں برسوں سے پیر کی گیارہویں کرتا ہوں۔ مگر ایسی حرکت کبھی نہیں کی۔ امسال روپے پیسے کی بہت تنگی تھی۔ قرض دام ملا نہیں۔ اسی واسطے گائے ذبح کی (اور وہ بھی نہایت خفیہ طور پر) تاکہ کسی ہندو بھائی کی دل آزاری نہ ہونے پائے۔

پنڈت۔ خوب! بہت خوب!! اب تو جرم کا اقبال صاف الفاظ میں کیا جا رہا ہے!

سالار۔ پنڈت جی! میں آپ کی منت کرتا ہوں اور آپ کے پاؤں پکڑتا ہوں۔ میری جان بچائیے!

پنڈت۔ میں راجہ کو خبر دیئے بغیر نہیں رہوں گا۔ تم نے تو راجہ کے ملازم ہو کر یہ حرکت کی ہے۔

سالار۔ پنڈت جی! میں پھر آپ کی خوشامد کرتا ہوں۔ جانے بھی دیجئے! عالم مجبوری میں مجھ سے یہ فعل سرزد ہو گیا ہے۔ اب کی بار خطا ہو گئی! آئندہ کے واسطے قسم کھاتا ہوں۔ عمر بھر ایسا قصور نہیں ہو گا۔ ہرگز نہیں ہو گا۔ بس اب کی بار معاف کر دیجئے۔ میں حق ہمسائیگی کا واسطہ دیتا ہوں۔ پنڈت جی اگر میں قتل بھی ہو گیا تو بھلا آپ کے ہاتھ کیا آ جائیگا۔ جاگیر تو ملنے سے رہی۔

پنڈت۔ مجھے بیکنٹھ۔ سورگ۔ بہشت ملیگی۔ اور کیا ملیگا۔!

سالار۔ پنڈت جی! آپ کے مذہب میں تو انسانی قتل، برہم ہتھیا، سب

سے بڑا پاپ ہے!

پنڈت ۔ اوہو! میاں جی! آپ تو بڑے پنڈت ہیں۔ یہ مجھے آج ہی معلوم ہُوا مگر ایسی باتیں بنانے سے آپ کی جان بچ نہیں سکتی ۔ !

سالار ۔ افسوس! میں نے کیا کیا ۔! اچھا پنڈت جی! ذرا اندر تو تشریف لائیے

اب پنڈت رام لبھایا ۔ سالار خاں سوار کی کوٹھڑی کے اندر چلے گئے

(۲)

کشمیری دروازے کے باہر ایک شخص سر پر ایک گٹھڑی سی لئے کھڑا ہے ۔ وہ تو اپنی راہ پر چلا جا رہا تھا مگر پہرہ دار نے اُسے ٹوک کر کھڑا کر لیا ہے ۔! رات ابھی ایک پہر باقی ہے ۔

سپاہی ۔ تم کون ہو اور اس گٹھڑی میں کیا ہے ۔ ؟

وہ آدمی ۔ میں حضور کا غلام دھوبی ہوں اور یہ کپڑے راوی میں دھونے کے واسطے لے جا رہا ہوں ۔ !

سپاہی ۔ کپڑے ہیں یا کچھ اور ؟ تم صورت شکل سے تو دھوبی نہیں معلوم ہوتے ۔

دوسرا سپاہی ۔ جانے بھی دو ۔ بے چارہ غریب آدمی معلوم ہوتا ہے ناحق کیوں تنگ کرتے ہو یار ۔

پہلا ۔ تو تم پہرے پر کیوں کھڑے ہو ؟ جاؤ پاؤں پھیلا کر سو رہو ۔! اب گٹھڑی کھول کر دیکھی جاتی ہے ۔ تو اُس کے اندر سے آدمی کی نعش نکلتی ہے اور راز افشا ہو جاتا ہے ۔ مصنوعی دھوبی یعنی لاش کی گٹھڑی لانے والا آدمی کانپ اٹھتا ہے ۔

نعش کپڑوں کی وضع قطع سے کسی ہندو کی معلوم ہوتی ہے۔ قاتل کو گرفتار کر کے حوالات میں بھیجا جاتا ہے۔

(۳)

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کچہری میں خون کے ایک مقدمے کی دادرسی ہو رہی ہے۔ دربار لگا ہوا ہے۔ منشی۔ متصدی اور سب اہلکار حاضر ہیں پولیس والے بھی کھڑے ہیں۔

مجرموں کے کٹہرے میں ایک قد آور مسلمان سر جھکائے کھڑا ہے۔ یہ مہاراجہ کے رسالہ کا ایک سوار ہے اور اسی پر قتل کا الزام لگا ہے۔

وہ ایک نعش گٹھڑی میں باندھے شہر سے باہر لے جا رہا تھا کہ اسی حال میں گرفتار ہو گیا۔ اس شخص کا نام سالار خاں ہے۔ اور نعش پنڈت رام لبھایا اس کے برہمن ہمسائے کی ہے۔

اب تو ناظرین نے قاتل اور مقتول کو پہچان لیا ہو گا۔ دونوں دوست نہیں تو ہمسائے تو ضرور رہی ہیں۔

مہاراجہ۔ سالار خاں! ہمیں سچ پسند ہے۔ پس جو بات ہوئی ہو وہ سچ سچ بیان کر دو۔ تمہارے حق میں یہی اچھا ہو گا۔

سالار خاں۔ بہت بہتر مہاراجہ صاحب! میں سچ سچ ہی عرض کئے دیتا ہوں۔ آئندہ سرکار کو اختیار ہے۔ چاہے ماریں اور چاہے میری جان بخشی کریں۔

حضور عالی! میں مدت سے بڑے پیر کی گیارہویں کیا کرتا ہوں۔ امسال میرے پاس روپیہ نہیں تھا مگر گیارہویں کرنا لازمی تھا۔ پس میں نے مجبوراً اپنی پالی ہوئی گائے ذبح کر کے گیارہویں کر لی۔ اور فاتحہ کا کھانا پکایا۔ بدقسمتی سے میرے

ہمسائے پنڈت رام لبھایا کو میرے مکان پر چیل کوؤں کا ہجوم دیکھ کر شک بلکہ یقین ہو گیا۔ وہ میرے پاس آ پہنچا۔ اول اول تو میں نے یہ راز اس سے چھپایا مگر آخر کار کہنا پڑا۔ اب اس نے مجھے دھمکی دی کہ مہاراجہ کو اس جرم کی اطلاع دی جائے گی۔ میں نے ہر چند اس کی منت سماجت کی اور یقین دلایا کہ میں نے مجبور ہو کر یہ حرکت کی ہے۔ مگر وہ ضد پر قائم رہا۔ اور میری جان لینے پر آمادہ ہی ہو گیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو محض اپنی جان بچانے کے واسطے اُسے کوٹھڑی میں لے جا کر تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میں بے شک اس کا قاتل ہوں۔! میں آدھی رات کو لاش کی گٹھڑی بنا کر اور دھوبی کا بھیس بھر کر شہر سے باہر چلا تا کہ نعش دریا برد کر کے جرم کے نشان مٹا دوں۔ مگر پہرہ داروں نے بد قسمتی سے گرفتار کر لیا۔ اور اس طرح افشائے راز ہو گیا۔؟ پس یہ ہے سچا واقعہ۔! جو میں نے سچ سچ عرض کر دیا۔

اب مہاراجہ جان کے مالک ہیں

مہاراجہ (خوش ہو کر) یہ ماجرا تمہاری زبان سے سن کر ہمیں یقین آ گیا کہ تمہارا اظہار درست ہے۔ ہم سچ کے عاشق ہیں۔ اور قدردان بھی۔ پس تمہارا قصور معاف کرتے ہیں۔! اب جاؤ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔! رام لبھایا کو چاہیئے تھا کہ وہ تمہارا قصور معاف کرتا۔ اور تمہاری جان لینے کے درپے نہ ہوتا۔ مگر اس نے دور اندیشی سے کام نہیں لیا۔ ایسی باتوں کو شہرت نہ دینا ہی اچھا ہے۔ انسانی جان بہت قیمتی ہے۔ ہمیں اس کی جان جانے کا افسوس ہے اور تمہیں بھی ہونا چاہیئے۔ اب ہم اگر تمہاری جان ضائع کرتے ہیں۔ تو ویسی ہی غلطی کرتے ہیں۔ جیسی تم نے کی ہے۔ ہم بڑے بڑے مجرم کی بھی جان نہیں لیتے! کیونکہ یہ سب سے بڑا جرم ہے اور سب سے بڑا گناہ ہے۔

ہم آج تمہیں بھی تاکید کرتے ہیں۔ کہ کبھی کسی انسان کو قتل نہ کرو
یہ انتہائی بے رحمی اور خلاف انسانیت حرکت ہے۔ یہی سب سے بڑا جرم اور سب
سے بڑا گناہ ہے۔ انسانی جان بہت مُقدس ہے۔ بھنگی اور چمار کی جان
بھی اتنی ہی قیمتی ہے۔ جتنی کسی سیّد۔ مغل۔ برہمن۔ شہزادے یا مہاراجہ کی
مُلزم۔ مہاراجہ کا ارشاد بجا ہے۔ میں حضور کی یہ نصیحت عمر بھر
گانٹھ میں باندھے رہونگا۔ اور اس قسم کی غلطی کبھی نہ کرونگا۔

مہاراجہ۔ جاؤ تم آزاد ہو۔

مُلزم۔ (جھک کر) آداب! آفتابِ اقبال بلند۔!

سالار خاں نے اُس کے بعد عمر بھر میں کبھی بھی گائے کُشی نہیں کی



# ۸۔ یگانے اور بیگانے

## مُسلمانوں کی سِکھوں سے ہمدردی



گورو گوبند سنگھ جی کی والدہ مائی گوجری۔ سرہند میں گنگارام
رسوئیا کے ہاں مہمان ہیں۔ ان کے ساتھ دو پوتے یعنی گورو جی کے فرزند
بھی ہیں ـــ یہ لوگ کل ہی انند پور سے آئے ہیں۔

صوبہ دار لاہور زبردست خاں۔ اور صوبیدار سرہند شمس الدین خاں نے شاہ دہلی کے حکم سے انندپور کا محاورہ کیا تو پنجاب کے پہاڑی راجاؤں کی فوجیں بھی گوروجی کے خلاف معرکہ آرا ہوئیں۔ شاہ دہلی نے دراصل اُنہیں راجاؤں کی بار بار کی شکایت کے نتیجہ کے طور پر حکام پنجاب کو اِدھر متوجہ کیا تھا۔

جب محاصرہ نے طول کھینچا یعنی کامل سات ماہ گزر گئے۔ اور قلعہ کے اندر ذخیرہ خوراک تقریباً ختم ہو گیا تو مائی گوجری اپنے پوتوں کو (گوروجی کی اجازت کے بغیر) یہاں سے نکال کر سرہند لے گئیں۔ اور گنگارام کے مکان میں قیام پذیر ہوئیں۔ وہ اِن کا اور گوروجی کا معتقد تھا۔ مائی جی بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھا کر سرہند پہنچیں۔

گورو گوبند سنگھ اور اُن کے فرزندوں وغیرہ کی گرفتاری کا اشتہار شائع ہو چکا ہے۔ اور ایک ایک لاکھ کے انعام کا بھی اعلان ہوا ہے۔

(۲)

دیوان کلجس رائے مسند پر اور گنگارام رسوئیا فرش پر بیٹھا ہوا ہے۔

گنگارام۔ حضور روپیہ کمانے کا بہت اچھا موقع ہے

دیوان۔ ہے تو سہی!

گنگارام۔ غریبوں کا بھی خیال رہے۔

دیوان۔ ہاں! ہاں! تیسرا حصہ تجھے ضرور دیا جائیگا

گنگارام مہاراج کا اقبال بڑھے

دیوان۔ اچھا ذرا جا کر نائب صاحب کو تو بلا لا۔

گنگارام۔ بہت اچھا حضور! سچدانند جی کو نا!

دیوان۔ ہاں! ہاں کہہ تو دیا۔

گنگارام چلا جاتا ہے۔ اور کوئی پندرہ منٹ کے بعد نائب رسوئیا کے ساتھ آتا ہے۔

دیوان کلجس رائے۔ کہئیے! کیا خیریں ہیں۔

نائب۔ حضور کی کرپا ہے۔ کیوں یاد فرمایا؟ کیا خدمت ہے!

کلجس رائے۔ ارے ایک لاکھ روپیہ کماؤ ایک لاکھ پورا!

سچدانند۔ ایک لاکھ! کیا ایک لاکھ قسم کھانا!

کلجس۔ پورا ایک لاکھ

سچدانند۔ مگر کیسے؟

کلجس۔ ارے اب تو گھر میں گنگا آگئی ہے

سچدانند۔ یہ غلام حضور کا مطلب نہیں سمجھا۔

کلجس۔ عجیب آدمی ہو جس کے لئے ایک لاکھ کا انعام مشتہر ہوا ہے۔ وہ تو سرہند ہی میں موجود ہے

سچدانند۔ اچھا! کیا سچ! کیا گورو گوبند سنگھ یہاں آگئے

کلجس۔ نہیں وہ تو نہیں آئے۔ مگر اُن کی ماں، اور دو بیٹے ضرور ہمارے ہی شہر میں موجود ہیں۔

سچدانند۔ واہ! گھر میں لچھمی آ رہی ہے!

کلجس۔ ہمت کرو۔ انہیں گرفتار کرا دو تو آدھے تمہارے اور آدھے ہمارے۔

سچدانند۔ وہ اُترے کس کے گھر ہیں؟

کلجس رائے۔ اس کے گھر یہ جو بیٹھا ہے۔ گنگا رسوئیا۔ دو چار روپے اسے بھی دیدینا۔ یہ بیچارہ غریب آدمی ہے۔ کیا یاد کریگا۔

گنگا۔ بڑی مہربانی مہاراج کی۔

کلجس رائے۔ تو اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابھی جاؤ دیکھو! شکار جال سے نکل نہ جائے۔

سچدانند۔ ہمارا بھی خیال رہے مہاراج

اب وہ دونوں چلے جاتے ہیں۔

(۳)

ایک بجا ہے۔ آفتاب مائل زوال ہے۔ سرہند کے صوبیدار شمس الدین خاں۔ کچہری کر رہے ہیں۔ دیوان کلجس رائے۔ نائب دیوان سچدانند گنگارام۔ جانی خاں اور نواب شیر محمد خاں، مالیر کوٹلے کے نائب ناظم بھی موجود ہیں۔

گنگارام اور جانی خاں، مائی گوجری اور اُن کے دونوں پوتوں کو گرفتار کر کے لائے ہیں۔ جانی خاں نائب سچدانند کا ملازم ہے

دیوان کلجس رائے۔ حضور کو معلوم ہے کہ یہ بچے گوبند سنگھ کے ہیں اُس کے جو بادشاہ سے باغی ہو کر اپنی بادشاہت کے منصوبے گانٹھ رہا ہے پس اِن کا قتل کر دینا ہی بہتر ہے۔ سانپ کا بچہ بھی تو آخر سانپ ، ہی ہوتا ہے۔

نواب شیر محمد خاں نائب ناظم۔ مالیر کوٹلہ:۔ اِن معصوم بچّوں کا کیا گناہ ہے! پھر نابالغ بچّوں کا قتل ویسے بھی خلاف شرع۔ خلاف انصاف اور خلاف اصُول قانون ہے۔

نواب مہر منہد۔ ہم بھی سمجھتے ہیں کہ اگر جُرم ہے تو صرف گوبند سنگھ یعنی گُرو ہے بچے اور ان کی دادی بے گناہ ہیں اور اسلام۔ اِن کے قتل کی اجازت ہرگز نہیں دیتا! زیادہ سے زیادہ انہیں نگرانی میں رکھا جاسکتا ہے۔

نواب شیر خاں۔ بے شک بس اتنی احتیاط کافی ہے۔

سچدانند۔ ان کا قتل ضروری ہے۔ ان کا قتل ان کے باپ کی کمر توڑ دے گا ورنہ وُہ ہمیشہ بادشاہ سے بغاوت کئے جائیگا! اور پنجاب میں بدامنی اور کشت وخون کا سلسلہ کبھی بند نہ ہوگا۔

دیوان کلجس رائے۔ حضور اپنی ذمہ داری محسوس فرمائیں مُبادا کل شہنشاہ آپ سے جواب طلب کریں تو سوچئے کیا جواب دیجیئے گا؟

با ایں ہمہ، گنگارام نمک حرام رسوئیے کی کورنمکی! احسان فراموش، نیز دیوان سچدانند کھتری کا مخالفانہ رائے نے اُن بچوں کے قتل کا حکم صادر کراہی دیا۔ اس حادثہ کا افسوس بہت سے مُسلمانوں کو بھی ہُوا۔ دربار پر غم کی گھٹا چھاگئی۔

## (۴)

شہنشاہ اورنگ زیب گاڑھے کا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے اپنے محل میں بیٹھے ہوئے ایک خط نہایت غور سے پڑھ رہے ہیں۔ یہ خط فارسی زبان میں ہے اور منظوم ہے۔

یہ خط گورو گوبند سنگھ جی کا ہے۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے

"جہاں پناہ کو علم ہے کہ میرے چاروں نورِ نظر تہِ تیغ ہوچکے ہیں۔ اور اب میرے لئے بھی دُنیا اس قدر تنگ ہوچکی ہے کہ بیٹھ کر عبادت کرنے کو بھی گز بھر جگہ نہیں ملتی۔ شاہی افواج میری تلاش میں ہیں اور قتل کے درپے ہیں

اگر حضور جان بخشی فرمائیں تو تا قیامت وفادار رہونگا! اگر میرا قتل بھی لازم ہے تو شہنشاہ پہلے سوچ لیں کہ ایک فقیر کے قتل سے رُسوائی کے سِوا کچھ اور بھی حاصل ہو سکتا ہے؟

یہ خط گورُوجی نے موضع دینا سے شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کیا تھا جہاں کے چودھری لکھیر نے انہیں کافی مدد دی تھی۔ اور اس سے پہلے نبی خاں غنی خاں۔ اور اُن کے اُستاد قاضی میر محمدؐ خاں نے گورُوجی کو پیر بتا کر گرفتاری سے بچایا تھا۔

شہنشاہ (اپنے میر منشی سے) اِن کو لکھ دو کہ اگر آپ کُشت و خُون سے باز رہیں گے اور درویشانہ بے آزار زندگی بسر کریں گے تو آپ سے مزاحت نہیں ہوگی۔ سکونت خواہ کہیں رکھیں۔

میر منشی۔ بہت مُبارک۔

شہنشاہ۔ پنجاب کے صوبیداروں کو بھی اِسی مضمُون تُسقے روانہ کردو

—— (۵) ——

اس واقعہ کے بعد حضرت شہنشاہ اورنگ زیب یا پنجاب کے کسی حاکم نے گورُو گوبندجی پر فوج کشی نہیں کی۔ اور قول کا پاس کیا گیا۔ بلکہ شہنشاہ نے اسی علّت میں سرہند کے صوبیدار کو معزُول کیا

یہ واقعات تاریخ پنجاب کے مُصنّف رائے بہادر منشی کنہیا لال صاحب نے بھی تحریر کئے ہیں (دیکھو صفحات ۴۸ و ۴۵ پر)

---

# ۵۔ تعاون

## (ہندو نے سکھ کی مدد کی!)

(۱)

لکھن شاہ لبانہ۔ گورو جی چھپ کر بیٹھ رہنا ٹھیک نہیں۔ میدان میں نکل کر کام کرنا چاہیئے!

گورو تیغ بہادر۔ بوجھ بھاری ہے۔ یعنی قابل برداشت نہیں۔ اور ظاہر کرنیوالے کا مُنہ کالا ہونا ضروری ہے۔

لکھن شاہ۔ اچھا یہ بات! تو میں خود اپنا مُنہ کالا کر لیتا ہوں۔

یہ کہہ کر اُس نے اپنے چہرے پر سیاہی لگالی۔ اور کوٹھے پر چڑھ گیا۔ پھر بانس پر ایک کپڑا باندھ کر نشان بنایا۔ اُسے چاروں طرف گھمایا۔ پھر اِس کے بعد وہ زور سے چلایا۔

"گورو مِل گیا۔ گورو مِل گیا۔ اے سِکھو اِدھر آؤ۔" یہ آواز سُن کر بہت سے سِکھ جمع ہو گئے اور یہ آواز تمام گاؤں والوں نے سُنی۔

اب لکھن شاہ کوٹھے سے اُتر کر نیچے آئے تو گورو جی نے جوش میں آکر انہیں گلے سے لگالیا۔ اور اپنے آنسوؤں سے اُن کے چہرے کی کالک دھوئی

اس وقت ہزاروں سکھوں نے گورو جی کو نذرانہ دیا۔ اور زیور و نقد کا ڈھیر لگ گیا۔

(۲)

تیجا سنگھ۔ شاہ جی بڑا غضب ہُوا۔
لکھن شاہ۔ کیوں کیا ہوا؟
تیجا سنگھ۔ دھیرمل سوڈھی نے گورو جی کا ڈیرہ لوٹ لیا ہے۔ اور نذریں جس قدر نقد و جنس آئی تھی وہ سب لے گیا۔
لکھن شاہ۔ کون دھیرمل سوڈھی! کیا بابا گوردتہ مل کا بیٹا؟
تیجا سنگھ۔ ہاں ہاں!! وُہی تو! گورو ہر گوبند کا پوتا۔ گورو جی کا نذرانہ دیکھ کر وُہ جل گیا اور از راہِ حسد سب کا سب لوٹ کر لے گیا۔ اور غضب یہ کیا کہ ایک سکھ سے بندوق چلوادی۔ مگر خیر ہوئی کہ نشانہ چوک گیا۔
لکھن شاہ۔ گھر ہی میں تیر چلاتا ہے۔ خیر میں اُسے ٹھیک کر دوں گا۔ ابھی اُدھر جاتا ہوں۔
لکھن شاہ یہ کہہ کر اپنے آدمی جمع کرنے لگا۔ تاکہ جا کر گورو جی کا انتقام لے۔

(۳)

لکھن شاہ نے اپنے بہت سے مددگار ساتھ لے کر کیرت پور پر حملہ کیا اور دھیرمل جو مال و زر گورو جی کا لوٹ کر لے گیا تھا وُہ اُس سے زبردستی چھینا بلکہ اُس کا مال و متاع بھی لوٹ لیا۔
اِس کے بعد اُس نے کیرت پور والوں کو دھیرمل کے کرتوت بتلائے تو اُن لوگوں نے بھی اُسے بہت لعنت ملامت کی — اور آخر کار ذلیل کر کے

گاؤں سے نکال دیا

۴

لکھن شاہ۔ گورو جی! میں یہ تمام مال و اسباب اُس سے لے آیا ہوں

گورو جی۔ مگر تم نے کام اچھا نہیں کیا! —— خیر! اب کل سامان اُس کو پہنچا دو۔ اُس کی حرص پوری ہونے دو۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم فقیر آدمی ہیں۔

لکھن شاہ۔ لیکن! .......

گورو جی۔ بس کچھ نہیں! میرا کہنا مانو —— اور یہ تمام مال اُس کو پہنچا دو۔ مجھے درکار نہیں ——

گورو جی نے وہ نقد و جنس سب کچھ دھیر ل کو بھجوا دیا۔

# ۶۔ جاں سپاری

## مسلمان، سکھ اور ہندو کا تعاون

۱

دیوان رام دیال۔ کہو جوان! میدان جنگ کا کیا رنگ ہے

سوار۔ کیا عرض کروں! حالت نازک ہی ہے!

دیوان (چونک کر) ہیں! کیا۔

سوار۔ شہزادہ شیر سنگھ نے جرنیل الٰہی بخش کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنا توپ خانہ میدان میں لے جاکر باغیوں کا قلع قمع کریں۔ مگر جرنیل صاحب کے آگے بڑھتے ہی انہیں دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے وہ بارُوت کی کچھ پیٹیاں بھی چھین کر لے گئے ہیں۔ توپوں کی طرف بھی بڑھ رہے تھے کہ میں حضور کو اطلاع دینے ادھر آگیا ہُوں

دیوان رام دیال۔ اوہو! اب مجھے جلد میدان میں پہنچنا چاہیئے۔

وُہ یہ کہہ کر گھوڑا دوڑا کر میدان کی طرف چلا گیا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے اُس کا فوجی دستہ روانہ ہُوا۔

(۲)

جرنیل الٰہی بخش۔ دیوان صاحب! آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں! آج میری جان آپ ہی نے بچائی۔ یہ افغان تو طوفان ہیں۔ بارُوت کی بہت سی پیٹیاں لے گئے۔ وہ تو توپیں بھی لے چلے تھے۔ مگر عین وقت آپ اور آپ کے سپاہی میری مدد کیواسطے آگئے۔ آگ زور شور سے برسی ہزاریوں نے بھی بڑی جان بازی کا مقابلہ کیا۔ مگر آخر کار شکست کھا کر بھاگے۔ اور آج کی فتح کا سہرا آپ کے سر رہا۔ واہ بہادر ہوں تو ایسے ہوں۔

دیوان رام دیال۔ جرنیل صاحب! شکریہ کیسا! یہ تو میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ اچھا جرنیل صاحب اب مجھے اجازت دیجیے

جرنیل۔ واہ اجازت کیسی! آپ چلے کہاں؟

دیوان۔ میں اپنے خیمہ گاہ واپس جانا چاہتا ہُوں

جرنیل۔ یہ کسی طرح بھی قرین مصلحت نہیں! دیکھئے دیوان صاحب!
وہ سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ رہا ہے اور رات ہونے میں دیر نہیں ہے
یہاں ہر طرف دشمن ہی دشمن ہیں۔ تمام علاقہ بگڑا ہوا ہے ہر قدم پر خطرہ ہے
بس آپ یہیں قیام کیجئے۔ اور صبح کو اجالے میں جائیے

دیوان۔ اجی جرنیل صاحب آپ یہ کیا فرماتے ہیں، ہم سپاہی ہیں ہمیں
ہر وقت سپاہی ہی بنے رہنا چاہیئے اور ہمیشہ کمر کسی رہنی چاہیئے۔

جرنیل۔ مجھے تو خوف معلوم ہوتا! —— اچھا تو اپنی تمام فوج ہمراہ
لے جائیے۔

دیوان۔ کیا ضرورت ہے بس ایک دستہ کافی ہوگا۔

وہ صرف ایک ہی دستہ ہمراہ لے کر روانہ ہوگیا۔

(۳)

دیوان رام دیال کوئی تین میل رستہ طے کر نیکے بعد ایک تنگ درے میں داخل
ہوئے ہی تھے کہ دشمن آپڑے وہ لوگ رستے میں چھپے ہوئے تھے اور شائید اُن
کے کسی جاسوس نے دیوان صاحب کے ادھر سے گزرنے کا پتہ دیا تھا
ہزاروں ہی جمع ہو کر دیوان صاحب اور اُن کے ہمراہیوں پہ آپڑے
یہ ملکیہ غازی تھے اِن کی شکلیں دیکھ کر سکھ بھاگ کھڑے ہوئے اور دیوان
صاحب کے ساتھ صرف چند ہی جان نثار رہ گئے۔ جو دیوان صاحب کے
خاص نوکر تھے۔

ان میں سے ایک بولا۔ "حضور! اِس وقت مصلحت یہی ہے کہ
ہم لوگ بھاگ کر جان بچائیں۔ اِس وقت ان ہزاریوں سے مقابلہ کا ارادہ
کرنا خود اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔

دیوان - یہ لوگ عام آدمی ہیں۔ یعنی نہ سپاہی ہیں اور نہ افسر اور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سپہ سالار ہوں۔ پس میدان سے ہٹ جانا۔ انتہائی بزدلی ہے۔ کچھ ہو میں ان سے مقابلہ کرونگا

دیوان تلوار کھینچ کر آگے بڑھا۔ کئی آدمیوں کو مار کر گرایا۔ مگر آخر کار خود زخمی ہو کر ایسا گرا کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔

(۱۴)

جب جرنیل الٰہی بخش نے یہ خبر سُنی تو سخت افسوس کیا۔ مگر اُن کی بہادری کی تعریف کی۔ اسی طرح جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دیوان کی اس مردانہ موت کی اطلاع ملی تو وہ بھی کئی روز تک مغموم رہے۔

دیوان رام دیال غیر معمولی طور پر شجاع آدمی تھے۔ اور انہوں نے جوانی ہی میں بہادرانہ کارناموں سے دُنیا کو حیران کر دیا تھا۔ انہوں نے ہزارہ کے علاقہ میں جنگ کے زمانے میں وفات پائی۔ جیسا کہ مذکور ہوا

# ۷۔ رحمدل رانی

## ہندو نے مسلمان کی جاں بخشی کی

(۱)

بھرت پور کی رانی مسہری پر لیٹی ہوئی ہیں۔ اور راجہ صاحب قریب ہی ایک زریں کرسی پر تشریف فرما ہیں

رانی۔ کیا آپ نے اُس کے قتل کا حکم دیدیا ہے۔

راجہ۔ اُس نے کام ہی ایسا کیا ہے۔ وہ یہاں کا قانون جانتا ہے۔ پھر یہ شرارت کی۔ بس اِس جرم کی سزا موت سے کم ہو ہی نہیں سکتی!

رانی۔ تاہم آپ کو رحم سے کام لینا چاہیئے۔ آج کیسا مبارک دن ہے۔ ریاست کا ہر ادنے اعلےٰ آدمی خوشی منا رہا ہے۔ خدا نے بڑی آرزوؤں کے بعد ہمیں چاند سا بیٹا دیا ہے۔ بس یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اُس سیّد کا خون بہایا جائے۔ آج کا دن تو وہ دن ہے کہ قید خانے کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ اور خزانہ لُٹا دیا جائے۔ آج انسان کی خونریزی تو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ راجہ جی انسان کی جان نہایت قیمتی ہے۔ ایک جانور کی زندگی

سے یقیناً زیادہ قیمتی ہے برہم ہتیا تو مہا پاپ ہے۔ مہاراج خود سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہیں ادھیراج اس سوار کی جان بخشی ہونی چاہیئے

راجہ۔ گئوہتیا کی سزا موت سے کم نہیں۔ یہی ہمارا قانون ہے اسی واسطے ہم نے اس اسوار کو توپ سے اُڑا دینے کا حکم دیدیا ہے۔

رانی۔ آپنے غضب کیا۔ آپ ضرور اُس کی جان بخشی کریں

(۲)

بھرت پُور کے راجہ کا دربار لگا ہُوا ہے۔ ایک مُقدمہ پیش ہے۔ مُجرم کے کٹہرے میں ایک بانکا جوان کھڑا ہوا ہے۔ لباس سے مُسلمان معلوم ہوتا ہے

مہاراجہ (غُصّہ سے) کم بخت تُو نے آج سے ایک سال پہلے بھی یہی جُرم کیا تھا۔ تو جانتا ہے کہ ہماری ریاست میں گئوہتیا کی سزا قتل ہے۔ یہ قانون سب جانتے ہیں۔ تُو نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی پچھلے سال ہتیا کی اور ہم نے تجھے توپ دم کرنے کا حکم دیا۔ لیکن مہارانی نے سفارش کر کے تیری جان بچالی۔ مگر اب تُو نے پھر وُہی جرم کیا۔ تو بڑا ہی ضدّی ہے مُتعصب بلکہ باغی ہے۔ بس اب تجھے زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا! تیری قسمت کا فیصلہ یہی ہے کہ تُو کل توپ سے اُڑا دیا جائیگا

(۳)

لکھنؤ کے نواب سعادت علی خاں۔ اِس شہر میں آئے ہُوئے ہیں۔ چنانچہ اس وقت خاص محل میں بیٹھے ہُوئے راجہ صاحب سے باتیں کر رہے ہیں وہ شاہی مہمان ہیں۔

نواب۔ راجہ صاحب! ایک حیوان کے بدلے ایک اشرف المخلوقات کی جان لینا کسی طرح مُناسب نہیں ہے۔ بس آپ اُس کی جان بخشی

ہی فرما دیجیے!

راجہ۔ وہ کمبخت بڑا ضدی ہے۔ گزشتہ سال بھی یہی حرکت کی تھی۔ مگر ہم نے اُسے معاف کر دیا۔ اب پھر امسال بھی یہی جرم کیا۔

نواب۔ بے شک! وہ ضدی تو معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس واقعہ سے دلیر اور بہادر بھی معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے سواروں میں ایک ایسا گستاخ بھی سہی! آپ کا اس میں کیا نقصان ہے؟

راجہ۔ کیوں نہ اُسے گستاخی کی سزا دی جائے۔ تاکہ دوسروں کو ایسی جرأت نہ ہو۔

نواب۔ میری رائے میں تو ایسے بہادر شخص کی نہ صرف جان بخشی کرنی چاہیئے۔ بلکہ اُس کی قدر بھی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ایسے دل چلے آدمی وقت پڑے بڑے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ کیا عجب ہے یہ بھی کسی وقت کام آجائے اور اُس وقت خاص جوہر دکھائے۔

راجہ۔ بہت بہتر۔ ہم اُس کی جان بخشی کرتے ہیں۔ بلکہ اُس کے واسطے قربانی جائز قرار دیتے ہیں۔ آئندہ اُس سے باز پرس نہیں ہوگی۔

(۴)

راجہ۔ سپاہی! ہمیں جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ تم نے اِس سال بکری کی قربانی کی ہے

سوار۔ جی حضور! یہ سچ ہے۔

راجہ۔ تم بھی بڑے عجیب آدمی ہو۔ جب ممانعت تھی تو جرم کر کے اپنی جان خطرے میں ڈالتے تھے۔ اور اب جب ہم نے اجازت دیدی ہے تو تم نے بکری کی قربانی کی بتاؤ اس کی وجہ کیا ہے

سوار۔ مہاراج ادھیراج اجب حضور نے ضد چھوڑ دی تو خادم بھی سیدھا ہو گیا۔ اب گائے کی قربانی بھی نہیں کروں گا۔

مہاراجہ۔ تم بڑے دلیر آدمی ہو۔ ہم تم سے بہت خوش ہیں اور آج سے تمہیں شاہی محلات کا داروغہ مقرر کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ تم وفاداری سے خدمت انجام دو گے۔

سوار (جھک کر سلام کر کے) مہاراج خاکسار کو فرماں بردار اور جاں نثار پائیں گے۔

(۵)

پانچ ماہ سے بھرت پور پر گولہ باری ہو رہی ہے۔ مگر غنیم واپسی کا نام ہی نہیں لیتا۔ بھرت پور کا قلعہ اپنے استحکام میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ راجہ کی فوج جس میں ہندو مسلمان۔ دونوں قومیں ہی شامل ہیں۔ جو غیر معمولی بہادری سے لڑیں اور دشمن کے دانت کھٹے کر دے۔

وہ سیّد سوار ایک فوج کا سپہ سالار ہے۔ اُس نے اِس جنگ میں بہادری کے بڑے جوہر دکھائے ہیں۔ مشہور ہے کہ یہ اُسی کی دلیری اور حسن تدابیر کا نتیجہ ہے کہ قلعہ مفتوح ہونے میں نہیں آتا۔

چار روز لعد بے چارے سید کے سر میں توپ کا گولہ لگا۔ اور اُس کے جسم کے پرخچے اُڑ گئے۔ اور وہ اس طرح اپنے آقا راجہ پر نثار ہو گیا۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد ہی بھرت پور کا قلعہ غنیم نے تسخیر کر لیا یہ حادثہ ۱۸۲۶ء کا ہے۔ انگریزی فوجیں قلعے میں داخل ہو گئیں۔

# ۸۔ ہندو بہن کا مُسلم بھائی

## مُسلمانوں نے ہندوؤں کی مدد کی

(۱)

ریاست میواڑ (راجپوتانہ) کی رانی کرناوتی۔ قلعہ چتّوڑ کے رنگ محل میں تنہا بیٹھی ہوئی ہے! اُس کے چاند سے چہرے پر غم کے بادل چھائے ہوئے اور اُس کا دل رنج و فکر سے پُر ہے!

رانی کی عمر چالیس سال سے کچھ زیادہ ہے۔ اور وہ بیوہ ہے۔ اُس کے خاوند رانا سنگرام سنگھ مر چکے ہیں۔

رانی کے رنج و غم کا سبب یہ ہے کہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے بادشاہ بہادر شاہ نے ریاست میواڑ پر حملہ کر دیا ہے۔ یہاں کا راجہ کم سن اودے سنگھ ہے۔ یہ چھ برس کی عمر میں گدّی پر بیٹھا تھا اور اب اس کی عمر سات سال سے کچھ زیادہ ہے۔ حکومت دراصل رانی کرناوتی ہی کرتی ہے! جو بڑی بہادر دانش مند اور دُور اندیش ہے!۔

جب بہادر شاہ نے میواڑ پر حملہ کیا تو وہاں کے جاں باز راجپوتوں نے اپنی بہادر رانی کے ماتحت خوب جنگ کی۔ حریف کو کئی بار نیچا دکھایا۔ لیکن حملہ

آور فوج نے بار بار حملہ کر کے راجپوتوں کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ بے چارے مجبور ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔

اس وقت رانی کرناوتی، اور اُس کے مٹھی بھر بہادر چتّوڑ کے قلعے میں محصور ہیں۔ بہادر شاہ کی فوجیں قلعہ کے ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ محاصرہ کو کئی مہینے گزر چکے ہیں۔ مدد باہر سے نہیں آ سکتی۔ اور اندر کی خوراک ختم ہونیوالی ہے۔ اسی واسطے رانی کرناوتی سخت متفکر اور پریشان ہے۔

رانی کرناوتی دل ہی دل میں کہہ رہی ہے

"اگر آج راجہ زندہ ہوتے تو کسی کو حملہ کرنے کی جُرأت ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ غنیم نے سوچا کہ چھ سال کے بچّے اور کمزور عورت کو شکست دیدینا کون سی بڑی بات ہے۔ بس اسی بات نے اُسے دلیر بنا دیا ـــــ حکومت بھی عجیب چیز ہے۔ اُس کی سلطنت کافی وسیع ہے۔ مگر وہ ہماری چھوٹی سی ریاست پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ آہ! بادشاہوں کی حرص بھی کس قدر بڑھ جاتی ہے

ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ (سعدی)
ہم چناں در بند اقلیمِ دگر

مگر اب سوال یہ ہے کہ آئی بلا کیسے ٹلے۔ یہ مصیبت دفع کرنے کے واسطے کیا تدبیر کی جائے؟

اس وقت رانی کے دل میں ایک خاص خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یک بیک کہنے لگتی ہے ـــ "یہی! ہاں! بس یہی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے! ـ وہ بہادر ہے اور شریف بھی۔ بس ضرور ہی ہماری مدد کریگا۔ ہمیں اِس مصیبت سے نجات دیگا۔! اور ہماری ریاست بچ جائیگی!"

اِس خیال نے اُس کا دل اُمید سے بھر دیا۔ اُس کا چہرہ پھول کی طرح کھِل گیا۔ اب رانی کرناوتی قلم دوات لے کر لکھنے بیٹھ گئی —— اُس نے ایک طویل خط لکھ کر لفافے میں بند کیا۔ اور اطمینان کا سانس لیا۔

(۲)

ریاست میواڑ کا دُوسرا نام اودے پُور ہے۔ شہر اودے پُور راجدھانی ہے۔ راجہ کا محل ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے۔ اور اُس کے سامنے نہایت خوبصُورت جھیل ہے۔

چتوڑ کا قلعہ اودے پُور کے مشرق میں ہے۔ جو نہایت مضبوط اور مشہور ہے۔ یہ ریاست راجپوتانے کی اٹھارہ ریاستوں میں سے ایک قدیم اور مشہور ریاست ہے۔

رانی کرناوتی کے خاوند کا نام راجہ سنگ رام سنگھ تھا۔ مگر وُہ رانا سانگا کے نام سے مشہور ہُوا۔ وُہ رانا رائے مل کا فرزند تھا۔ رانا سانگا کے دو اور بھائی پرتھوی راج اور جے مل تھے۔

رائے مل کے باپ کا نام رانا کونبھا تھا۔ جو باپا راول اور سورج بنسی خاندان کی یادگار تھا۔ اور یہ خاندان راجپوتانہ بھر میں مُعزز سمجھا جاتا ہے۔

رانا سانگا بڑا بہادر اور اُلوالعزم تھا۔ نامہربان بھائیوں کی مخالفت کی وجہ سے تخت نشینی کے بعد مُدّت تک سرگرداں پھرتا رہا مگر پھر ۴۵ سال کی عمر میں ریاست پر شان کے ساتھ قابض ہُوا۔ مخالف راجپوتوں کو نیچا دکھایا۔ پھر ابراہیم لودھی اور بابر سے جا مُقابلہ کیا وہ قوی ہمّت راجپوت دہلی کے تخت پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔

مگر بابر نے اس سے پہلے ہی اپنے پٹھانوں کو شکست دے کر تخت پر قبضہ کر لیا۔

رانا سانگا ایک لاکھ راجپوت ہمراہ لے کر بابر کے مقابلے کو چلا۔ فتح پور سیکری کے میدان میں۔ بابر سے زبردست معرکہ ہوا۔ ایک ہاتھ اور ایک آنکھ کے رانا نے بابر کے دانت کھٹے کر دیئے۔ مگر آخر کار جان بچا کر میدان سے نکل جانا پڑا اور تخت دہلی کا مالک بابر بنا۔

رانا سانگا اسی سال مر گیا۔ کہتے ہیں کہ اُسے زہر دیا گیا تھا۔ شیر دل پرتاپ اسی کا بیٹا تھا! جس نے اپنی آزادی کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں کی :۔

(۳)

شہر پٹنہ کی جانب شمال۔ کوئی بیس کوس کے فاصلے پر ایک وسیع میدان میں ہمایوں کی فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔ جنگ شیر خاں افغان سے ہو رہی ہے۔

ہمایوں چاہتا ہے کہ بنگال اور تمام ہندوستان کی سلطنت کا مالک وُہ بنے۔ کیونکہ وُہ بابر شاہ دہلی کا فرزند ہے۔ مگر شیر شاہ سوری۔ اپنی تلوار کے زور سے ہندوستان کی حکومت خود حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پس دونوں میں اسی بات پر خونریز جنگ ہو رہی ہے۔ شیر خاں ابتدا میں ایک معمولی سپاہی تھا۔ اور اُس کا اصل نام فرید تھا۔

ہمایوں ایک بڑے خیمے کے اندر ہے۔ جس کی چوٹی پر ایک بڑا سا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اِرد گرد کئی سپاہی ہاتھوں میں نیزے لئے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں۔ ہمایوں ایک قیمتی ایرانی قالین پہ بیٹھا ہے۔ وُہ سرحاد بھی اُس

کے قریب بیٹھے ہیں۔ اور ایک سپاہی بادشاہ کے سامنے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ ایک سردار ہندو ہے

ہمایوں بولا ۔ "ہاں تو کیا وُہ لوگ چیتور سے آئے ہیں ؟"

سپاہی جھکا ۔ اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر بولا ۔ "جی جہاں پناہ"

ہمایوں ۔ اور وُہ کہتے کیا ہیں ؟

سپاہی ۔ اعلیٰ حضرت ! وُہ کہتے ہیں کہ "انہیں چیتور" کی رانی نے شہنشاہ کی خدمت بابرکت میں بھیجا ہے ۔ اور نہایت ضروری گزارش کرنی ہے ۔

ہمایوں (کچھ سوچ کر) اچھا ! انہیں عزت کے ساتھ لے آؤ ۔

وُہ سپاہی ۔ سلام کر کے چلا گیا ۔ اور کوئی دس منٹ کے بعد اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لے آیا ۔

یہ بانکے راجپوت ہیں ۔ ان کے سروں پر ٹیڑھی پگڑیاں بندھی ہوئی ہیں ۔ چہروں سے شجاعت ٹپک رہی ہے ۔ ان کی بڑی بڑی مونچھیں شان دوبالا کر رہی ہیں ۔ کمروں سے تلواریں لٹک رہی ہیں ۔

راجپوتوں نے آتے ہی بادشاہ کو جھک جھک کر سلام کئے ۔ بادشاہ نے سر کے اشارے سے سلام قبول کئے ۔ اور اب وُہ جوان ادب سے کھڑے ہو گئے ۔

بادشاہ ۔ جوانو ! کیا تم میواڑ سے آئے ہو ۔

ایک راجپوت ۔ جی مہاراج ! ہمیں ہماری مہارانی کرناوتی نے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے ۔

ہمایوں ۔ تمہاری ریاست کی حالت کیسی ہے ؟

راجپوت۔ حضور کیا عرض کریں! شہنشاہ کو معلوم ہوگا۔ کہ ہمارے مہارانا سانگا سورگ سدھارے۔ آہ! اُن کو دشمنوں نے زہر دے دیا تھا۔ اُن کے بعد اُن کی جگہ چھ برس کا راج کنوار اودے سنگھ گدّی پر بیٹھا۔ اصل میں رانی جی حکومت کرتی تھیں۔ ہماری ریاست کی یہ نازک حالت دیکھ کر گجرات کے لالچی بادشاہ کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ حضور بھلا کم سن بچے اور عورت پر حملہ کرنا بھی کچھ بہادری یا انسانیت ہے۔

ہمایوں۔ (جوش سے) نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ انتہا درجہ کی بزدلی اور نامردی ہے!

راجپوت۔ حضور کے اقبال کو چار چاند لگیں۔ ہم سے جہاں تک ہو سکا ہم نے تلوار چلائی۔ دشمن کو ناکوں چنے چبائے۔ مگر اُس کے ٹڈی دل کو مغلوب نہ کر سکے۔ بھلا اُس کے توپ خانہ کا ہمارے پاس کیا جواب تھا! اب دشمن قلعہ گھیرے پڑا ہے۔ مجبور ہو کر مہارانی نے ہمیں شہنشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ ہم اپنی رانی کا خط لائے ہیں۔

ہمایوں۔ تو وہ خط پیش کرو۔

راجپوت نے لفافہ دونوں ہاتھوں پر رکھ کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا۔ وہ ہندی میں لکھا ہوا تھا۔ لفافہ کھول کر اندر کا خط اپنے ہندو سردار کو پڑھنے کے واسطے دیا۔ جو خیمے میں پہلے سے موجود تھا۔ اس نے چند منٹ بعد خط کا ترجمہ فارسی میں بادشاہ کو سُنایا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے!

"بہادر شہنشاہ ہمایوں! یہ خط ٹھیک سلونو کے دن آپ کی خدمت میں پہنچے گا۔ خط کے ساتھ ایک اور چیز بھی بھیج رہی ہوں۔ اور وہ" ایک

پہنچی ہے !

ہماری ہندو قوم میں عموماً اور راجپوتوں میں خصوصاً یہ ایک قدیم رسم ہے کہ سلونو کے دن ، بہنیں اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں پہنچیاں باندھتی ہیں۔ یہ موسم بہار کا تہوار ہے۔ جس بدقسمت عورت کے کوئی سگا یا دُور کے رشتہ کا بھی بھائی نہیں ہوتا۔ جو کنواری یا بیوہ ایسے حامیوں سے محروم ہوتی ہے تو وہ عورت ، کسی بہادر ، شریف اور نامور مرد کے ہاتھ میں پہنچی باندھتی یا اُس کے پاس بھیج دیتی ہے۔ اِس کے بعد اُس بہادر کا فرض ہے کہ وہ اُس عورت کی سرپرستی اور مدد اِس طرح کرے گویا وہ اُس کی حقیقی بہن ہے اُس کی حمایت کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور ضرورت پڑے تو وُہ بہادر اِس بہن پر اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے ! خواہ اُس نے اِس بہن کی شکل تک بھی نہیں دیکھی ہو۔ !

بہادروں کے دیوتا ہمایوں ! میں آپ کو یہ پہنچی بھیج رہی ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ میرا یہ ناچیز تحفہ قبول کریں گے۔ آج سے آپ میرے بھائی ہیں اور میں آپ کی چھوٹی بہن !

اے بھائی ہمایوں ! آج تمہاری مظلوم اور بیوہ بہن کرناوتی۔ اور کم سن و یتیم بھانجے اودے سنگھ کو ایک بزدل غنیم نے آگھیرا ہے۔ اور وُہ نہ صرف ہماری ریاست ہی پر قبضہ کرنا چاہتا ہے بلکہ ہماری جان اور ہماری عزت کا بھی دُشمن بنا ہُوا ہے۔

تو اے بہادر اور شہنشاہ بھائی۔ کیا آپ اپنی مظلوم بہن ، اور بیکس بھانجے کی مدد نہیں کریں گے ؟ مجھے تو آپ کی امداد کا زبردست یقین ہے۔

ہمایوں (خوش ہو کر) ہماری بہن رانی بڑی ہی دانش مند ہے

——— ہاں وُہ پہنچی کہاں ہے! لاؤ میرے ہاتھ پہ باندھو!

ایک راجپوت نے پہنچی نکال کر ہمایوں کے داہنے ہاتھ پہ باندھی۔ اِس پہنچی پہ سچے موتی ٹنکے ہوئے تھے۔ نیز ایک ہیرا بھی جگمگا رہا تھا۔

ہمایوں (راجپوتوں سے) شریف راجپوتو تم آرام کرو! اور اطمینان رکھو کہ ہماری فوجیں۔ کل ہی چتوڑ کے طرف روانہ ہوجائیں گی! اور ہم بھی ہمادر بہن کی مدد کے واسطے عنقریب چتوڑ کی طرف کوچ کرینگے!

راجپوت! شہنشاہ کا اقبال بلند ہو۔ ہم نے جیسا سُنا تھا۔ حضور کو اُس سے سو گنا زیادہ شریف اور بہادر پایا۔ اصل بہادری۔ بیکسوں اور مظلوموں کی مدد کرنا ہے! ہندوستان کا تخت آپ ہی کا حِصّہ اور حق ہے اور اب ہمیں یقین آگیا کہ حضور ہماری حکومت اور عزت بچالینگے!

دوسرا۔ مبارک ہو! یہ پہنچی حضور کو اور ہمیں بھی مبارک ہو،

راجپوت یہ کہہ کر چلے گئے۔

علی گوہر۔ تو کیا اعلےٰحضرت چتوڑ تشریف لے جائیں گے؟

بادشاہ ضرور! بے شک

علی گوہر۔ مگر بہادر شاہ مسلمان ہے۔

بادشاہ۔ ہاں! تاہم وُہ ظالم اور بُزدل ہے۔ عورتوں اور بچوں پہ حملہ کرنا کیا جوانمردی ہے؟

ہندو سردار۔ زندہ باد شہنشاہ سلامت!

علی گوہر۔ لیکن چتوڑ والے ہندو ہیں!

بادشاہ۔ مگر انسان ہیں مظلوم ہیں! اِس لئے اُن کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ مذہب بھی ہمیں یہی سکھاتا ہے۔

ہندو سردار۔ واہ بلند خیال، روشن ضمیر اور بے تعصب ہوں تو ایسے ہوں!

بادشاہ۔ مذہبی تعصب وہ کلہاڑا ہے جو سلطنت کی جڑ کاٹ دیتا ہے بڑی بڑی حکومتیں غارت کرتا ہے۔ بادشاہوں کیلئے بے تعصب ہونا لازم ہے۔ اعلےٰ حضرت خلد آشیاں نے ہمیں بے تعصبی کی وصیت[1] اور گاؤ کشی کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہم اسی واسطے گوشت گاؤ سے نفرت کرتے ہیں ہم ہر مذاہب و ملت کے لوگوں کے ساتھ انصاف۔ ہمدردی۔ اور مہربانی سے پیش آنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ہندوؤں کی دل جوئی کرنا ہمارا فرض ہے رواداری بڑی اعلےٰ چیز ہے:

ہندو امیر۔ شہنشاہ زندہ باد۔ پائندہ باد

سعد اللہ خاں۔ شہنشاہ کی رائے بے شبہ زریں ہے۔ لیکن شیر خاں کے شہر کا خیال بھی رکھنا چاہیئے! حقیقت یہ ہے کہ یہاں ہماری حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔

بادشاہ۔ ما بدولت سب کچھ جانتے ہیں۔ تاہم مظلوموں کی امداد ضرور کی جائیگی۔ فوجیں کل ہی چیتور کی طرف کوچ کریں گی۔!

ہندو امیر۔ شاد باد شہنشاہ! زندہ باد شہنشاہ!

(۴)

نصیر الدین ہمایوں ... اپنے باپ بابر کی وفات کے بعد تخت دہلی پر بیٹھا۔ کیونکہ وہ بڑا بیٹا تھا اس نے اپنے بھائی کامران کو پنجاب اور کابل کی بادشاہت دی اسیطرح تیسرے بھائی عسکری کو الوار کی اور چھوٹے بھائی ہندال کو سنبھل کی حکومت عطا کی۔

---

[1] بابر کی اصل وصیت ریاست بھوپال میں موجود ہے جو نومبر ۱۹۲۱ء کو پرنس آف ویلز (جارج پنجم) نے ملاحظہ فرمائی تھی

بابر، امیر تیمور کی نسل سے تھا۔ اور اُس کے باپ کا نام عمر شیخ تھا۔ بابر۔ فرغانہ کی حکومت کا مالک ہوا تو اُس کے رشتہ دار اور دوست ہی مخالف ہو گئے۔ مگر اِس کی شجاعت سب کو جواب دیتی رہی۔ اِسی حال میں بائیس برس کا ہوا۔ بارہ سال کی عمر میں حکومت پائی تھی۔ وہ کبھی تمام تُرکستان کا بادشاہ بن جاتا تھا اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ آخر کار وہ چند دوستوں کے ساتھ کابل پہنچا۔

کابل کا بادشاہ بابر کا چچا تھا۔ مگر اُس کا ایک وزیر، بادشاہ کو قتل کر کے خسرو خاں کے نام سے بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ بہادر بابر نے اُس سے حکومت چھین لی۔ وہاں کی رعایا اور فوج نے اِس کی اطاعت قبول کر لی تو وُہ بادشاہ بن گیا۔

اِس کے بعد بابر نے ہندوستان پر چار حملے کئے۔ اور پنجاب کا بہت سا حصّہ فتح کیا۔ اِس وقت تختِ دہلی پر ابراہیم جلوہ گر تھا کہتے ہیں کہ بابر کو پنجاب کے صوبہ دار دولت خاں نے بُلایا تھا۔ کیونکہ وہ ابراہیم کی سختیوں کی وجہ سے اُس سے ناراض اور اُس کے خلاف تھا۔

بابر بارہ ہزار فوج لے کر پانی پت کے میدان میں آ پہنچا اور ابراہیم لودھی بھی ہاتھیوں کے علاوہ ایک لاکھ فوج لایا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ آخر کار ابراہیم مارا گیا۔ اور اُس کی فوج بھاگ گئی۔ اب بابر ہندوستان کا بھی بادشاہ تھا آگرے میں تخت پر بیٹھا۔ ابراہیم کی ماں نے مشہور کوہ نور ہیرا بادشاہ کی نذر کیا۔ اور اُس نے ابراہیم کے خاندان پر بڑی مہربانی کی۔

اِس کے بعد بابر نے رانا سانگا اور دوسرے حریفوں سے جنگ کر کے میدان مارا۔

اس کا دادا امیر تیمور ۱۳۸۰ء میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ ان دنوں یہاں کا بادشاہ سلطان محمود تغلق تھا۔ مگر اس کی حکومت میں ضعف آگیا تھا۔ اور اس کے امیر باہم جھگڑے کر رہے تھے۔ اس وجہ سے تیمور کو حملہ کی جرأت ہوگئی تھی۔ تیمور نے دہلی فتح کر لی۔ مگر وہ جلد واپس چلا گیا۔

نصیر الدین ہمایوں۔ اس وقت بنگال میں شیر خاں کی فوجوں سے جنگ کر رہا تھا کہ راجپوتانہ کے طرف کوچ کرنا پڑا۔

شیر خاں، لودی خاندان سے تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ابراہیم لودی کو بابر نے شکست دی۔ بہلول لودی نے خاندان سادات کے کمزور بادشاہ سے حکومت چھینی اس خاندان میں سکندر بھی زبردست بادشاہ ہوا ہے۔ پس اسی کا فرزند ابراہیم تھا۔ کچھ مدت بعد بنگال کی حکومت شیر خاں نے سنبھال لی۔ اور وہ ہمایوں سے جنگ کرتا رہا۔ چنانچہ رانی کرناوتی کے قاصد بنگال ہی میں ہمایوں کے پاس پہنچے اور وہ بنگال کی جنگ چھوڑ کر چتوڑ روانہ ہوا

(۵)

چتوڑ سے دو میل دور، ہمایوں کی فوج خیمہ زن ہے۔ ایک بوڑھا راجپوت بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا اس سے آنسو بہا بہا کر باتیں کر رہا ہے —— بادشاہ کا چہرہ بھی مغموم ہے۔

بوڑھا راجپوت۔ حضور ہم لٹ گئے۔ تباہ ہو گئے۔ ظالم دشمن نے ہمیں خاک میں ملا دیا۔

بادشاہ کاش! میں دو روز پہلے یہاں پہنچتا! —— ہائے تقدیر! —— اچھا واقعات تو بیان کرو

راجپوت۔ حضرت! کیا عرض کروں! جب غنیم نے بہت تنگ کیا

اور رانی حضور کا انتظار کرکے مایوس ہو گئی تو ہم لوگوں نے آخری تدبیر کی!

بادشاہ ۔ کیا تدبیر؟

راجپوت ۔ ہماری بہادر رانی۔ کئی سو دیگر رانیاں ۔ اور لونڈیاں چِتا میں جل کر جوہر ہو گئیں ۔ اور اس طرح انہوں نے اپنی عزت بچائی

بادشاہ ۔ آہ! آہ!

راجپوت ۔ اسی طرح مردوں نے ایک دوسرے کو تلوار سے قتل کر دیا تاکہ وہ لٹیروں کی قید میں جانے کی ذلت سے بچ سکیں اور اُن کے غلام نہ بنیں

بادشاہ ۔ واہ! یہ قوم کیسی بہادر اور غیور ہے! ——— خیر! میں ظالم بہادر سے اپنی بہن کا انتقام نہایت سخت لوں گا ——— ہاں میرا بھانجا اودے سنگھ!

راجپوت ۔ اودے سنگھ کو بوندی کے راجہ کے پاس بھیج دیا گیا ہے۔

بادشاہ ۔ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ میرا بھانجا بخیریت ہے ۔ اب چتوڑ کے تخت پر وہی حکومت کرے گا ——— اس کے سوا اور کوئی نہیں ۔

———(۶)———

ہمایوں نے چتوڑ میں بہادر شاہ سے جنگ کی ۔ اور اُسے شکست فاش دے کر تمام میواڑ اُس کے قبضے سے نکال لیا۔ بہادر شاہ اپنے مُلک گجرات کی طرف چلا گیا۔

ہمایوں نے جو تلوار بہادر شاہ سے چھینی تھی وُہ اپنے بھانجے اودے سنگھ کی کمر سے باندھی۔

چتوڑ آنے کی وجہ سے شیر شاہ سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اور ہمایوں کو ہند سے چلا جانا پڑا۔ چنانچہ وُہ کامل سولہ برس تک مصیبتیں اٹھاتا اور مارا مارا

پھرتا رہا۔ اور پھر کہیں جا کر اُسے تخت ہند نصیب ہوا۔
مُسلمان ہمایوں نے ہندو رانی کرناوتی کے واسطے جو ایثار اور قربانی کی شاید اس کی نظیر تمام دُنیا پیش نہ کر سکے۔

# ۹۔ حسنِ سلوک

## سکھ نے مسلم سے کیا سلوک کیا

(۱)

سکھوں کی فوج نے ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا محاصرہ کئی ماہ سے کر رکھا ہے۔ سردار دل سنگھ نے افغانوں کا قافیہ سخت تنگ کیا ہے۔ مسلم نواب منگیرہ کے سپہ سالار دیوان نانک چند نے کمال جانبازی اور وفاداری دکھائی۔ مگر وہ عہدہ برآ نہیں ہو سکا

نواب حافظ احمد خاں منگیرہ کے والی تھے اور شہر بھکران کا دارالریاست تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۲۱ء میں اپنا ٹڈی دل لے کر اچانک ہی بھکر پر چڑھائی کر دی۔ نواب فرار ہو گیا۔ اور قلعے پر مہاراجہ نے قبضہ لیا۔
اس کے بعد مہاراجہ نے سپہ سالار دل سنگھ کے زیرِ کمان ڈیرہ اسمٰعیل خاں

میں بھی فوج بھیجدی۔ دیوان نانک چند نے اِس کا زبردست مقابلہ کیا۔ نانک چند مُسلم نواب کی طرف سے یہاں کا حاکم تھا۔ مگر اُسے بالآخر شکست ہوئی۔ اور نواب کا قیمتی سازوسامان اور خزانہ فاتح سِکھوں کے قبضہ میں آیا۔

مہاراجہ اپنے سپہ سالار کی شجاعت و کارگزاری سے بہت مسرور ہوئے۔ اور اب فیصلہ یہ ہوا کہ تمام سِکھ فوجیں متحد ہو کر قلعہ منگیرہ پر حملہ کریں تاکہ اُسے فتح کرکے نواب کی طاقت ختم کردی جائے!

تقریباً ایک لاکھ فوج قلعہ منگیرہ کا محاصرہ کئے پڑی ہے۔ مہاراجہ کے پاس اژدردم توپیں ہیں اِس کی فوجیں از صبح تا شام آتش باری کرتی رہتی ہیں۔ اور کوئی ایک ماہ سے یہی عالم ہے۔ تاہم شکل کامیابی نظر نہیں آتی۔

قلعہ اول تو ویسے ہی سنگین اور غیر معمولی طور پر مستحکم تھا۔ مزید براں جب نواب نے غنیم کی آمد سُنی تو قلعہ کی مرمت کرکے فصیل اور ضروری مورچوں پر بکثرت توپیں چڑھا دیں۔ اور محاصرین کا مقابلہ نہایت شدّت سے کیا۔

اب مہاراجہ کو یقین ہو گیا کہ یہ قلعہ تو سو برسوں کے محاصروں کے بعد بھی تسخیر نہیں ہوگا۔ وہ ہر روز نئی سے نئی تدابیر سوچتا تھا۔ مگر کامیابی کی کوئی شکل نظر نہیں آتی تھی۔ کئی بار سرداروں سے مشورے کئے گئے۔ مگر کاربرآری نہیں ہوئی۔ لہٰذا فوج میں بے دِلی سی پیدا ہو گئی۔ مگر مہاراجہ کا دِل یہ کبھی نہیں مانتا تھا کہ محاصرہ اُٹھا کر واپس چل دیں۔

(۲)

مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے خیمے میں تشریف فرما ہیں۔ سپہ سالار دل سنگھ اور دیگر مشیر اور افسر بھی موجود ہیں۔

مہاراجہ۔ کامیابی کی صورت کوئی نظر نہیں آتی۔

دَل سنگھ:۔ یہ قلعہ غیر معمولی طور پر مضبوط ہے

ایک افسر۔ بیشک گویا فولاد کا بنا ہوا ہے۔

مہاراجہ۔ وُہ لوگ ابھی آئے نہیں۔

افسر۔ بس آنے ہی والے ہیں۔ اُن سے ہمیں قیمتی مدد پہنچ سکتی ہے۔

مہاراجہ۔ وُہ ہیں کون لوگ؟

افسر۔ نواب صاحب کے مُشیر و مُصاحب مگر کسی وجہ سے اُن سے ناراض اور اُن کے خلاف ہو گئے ہیں۔ اِس لئے ہمیں مدد دینے پر آمادہ ہیں۔

دُوسرا۔ وُہ قلعہ سے خفیہ طور پر نکل آئے ہیں اور اُنہیں ایسا راز معلوم ہے جس کی مدد سے قلعہ تسخیر ہو سکتا ہے مگر اِن کو انعام و اکرام دیا جائے تو قیمتی امداد مل سکتی ہے

مہاراجہ۔ بیشک! وُہ ہمیں اِمداد دیں تو انعام کے مُستحق ہیں۔

افسر۔ لو وُہ آ رہے ہیں۔

ایک سکھ افسر پانچ آدمیوں کو اپنے ہمراہ لایا جو لباس سے مُسلمان اور افغان معلوم ہوتے تھے۔

(۳)

حافظ احمد خاں۔ سابق نواب مَنکیرہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے برابر مسند پر بیٹھے ہُوئے ہیں قلعہ تسخیر ہو چکا ہے

اُن افغانوں نے مہاراجہ کو بتایا کہ قلعہ فلاں فلاں مقاموں سے کمزور ہے۔ تو راجہ نے اُن کی نشان دہی کے مُطابق ادھر ہی سے گولہ باری شروع کر دی اور نہایت شدّت کے ساتھ۔

نواب یہ دیکھ کر گھبرا گیا۔ مایُوس ہو گیا اور اُس کا دل ٹُوٹ گیا۔ اُس نے حالات اپنے خلاف دیکھ کر اپنا وکیل مہاراجہ کی خدمت میں بھیجا۔ اور اُس کی معرفت پیغام

دیا۔ کہ اگر مہاراجہ میری عزت کا لحاظ کریں اور میرا معقول گزارہ مقرر دیں تو میں مصالحت کیواسطے حاضر ہوں۔

مہاراجہ نے حلف اُٹھا کر نواب کے ایلچی کی تسلی و تشفی کردی تو ایلچی واپس چلا گیا۔

ایک ہفتہ بعد جب نواب صاحب دربار میں آئے تو مہاراجہ اُن کی تعظیم کے واسطے زانو تک اُٹھے اور پھر اپنی مسند پر انہیں اپنے برابر جگہ دی

نواب۔ میری دو درخواستیں ہیں۔ اگر مہاراجہ قبول فرمائیں تو میں عمر بھر خیر خواہ اور شکر گزار رہونگا۔

مہاراجہ۔ کیا فرمائیے! ہم حتی المقدور آپ کی خواہشات پوری کرینگے۔

نواب۔ شکریہ! میری خواہش ایک تو یہ ہے کہ بعد قبضہ شہر لوٹا نہ جائے بلکہ میری ہندو مسلم رعایا کو معافی دی جائے! اور اُس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے

مہاراجہ۔ بہت اچھا یہی ہوگا۔ اور دوسری بات!

نواب۔ میرے ہندو مسلم ملازمین کو ملازمت دی جائے۔

مہاراجہ۔ یہ بھی منظور ہے

نواب۔ آپ کی مہربانیوں اور اعلےٰ اخلاق کا شکریہ زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔

مہاراجہ۔ آپ شریف ہیں۔ آپ بہادر ہیں۔ اس واسطے آپ کی قدر کرنا ہمارا فرض ہے۔ اب ڈیرہ اسمٰعیل خاں کا علاقہ آپ کی جاگیر ہوگا۔ اور ہمارے آپ کے تعلقات مخلصانہ رہیں گے۔

نواب۔ انشاء اللہ! آپ مجھے بھی دوست وفادار پائیں گے!

(۴)

مہاراجہ رنجیت سنگھ قلعہ لاہور میں جلوہ فرما ہیں۔ چند درباری حاضر ہیں وہ پانچوں افغان بھی موجود ہیں جن کے راز بتلانے سے منگیرہ کی مہم میں کامیابی ہوئی تھی۔

**ایک افغان** حضور ہماری آرزو ہے کہ اپنی باقی عمر حضور ہی کے زیر سایہ گزار دیں۔

مہاراجہ۔ (تیوری چڑھا کر) یہ ناممکن ہے۔ ہم اس قسم کے لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔

**دوسرا افغان**۔ یہ کیا! مہاراج! کیا ہم نے حضور کی خدمات انجام نہیں دیں۔؟

مہاراجہ تم نے ہماری خدمت کی تو ہم نے بھی تمہیں اس کا صلہ ادا کر دیا۔ بس حساب برابر ہو گیا۔ آئندہ کے لئے کوئی تعلق نہیں۔

**تیسرا افغان**۔ مہاراجہ ہم سے ناراض ہو گئے؟ ہم سے کیا خطا سرزد ہوئی؟

مہاراجہ۔ سب سے بڑی خطا۔ غداری!

**چوتھا افغان**۔ مگر ہم لوگوں نے مہاراجہ کے ساتھ تو وفاداری کی ہے

مہاراجہ۔ یہ سچ ہے! مگر اپنے قدیم آقا کے ساتھ تو غداری ہی کی۔! قومی غداری سب سے بڑا جرم، اور گناہ ہے۔ جب تم نے اپنے آقا اور اپنی قوم کے ساتھ بے وفائی کی۔ تو ہمارے ساتھ کب وفا کرو گے۔ ہم ایسے نمک حراموں کو منہ نہیں لگا سکتے! بلکہ ایسے رذیل انسانوں کی شکلیں بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے! لہٰذا تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ہمارے ممالک محروسہ سے جلد

از جلد نکل جاؤ۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

مہاراجہ نے ان لوگوں کو ذلیل کر کے نکلوا دیا۔!

یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ افغان، نواب کے ہم مذہب تھے۔ انہوں نے غداری کی! اور مہاراجہ، نواب کے ہم مذہب نہیں تھے مگر وہ اُن کے ساتھ بہ حُسن سلوک پیش آئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان مُعاملات کا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ؛



# ۱۰۔ اِنعامِ شجاعت

## مُسلمان نے سکھوں کی جان بخشی کی!

(۱)

احمد شاہ ابدالی، قلعۂ لاہور کے موتی محل میں غضبناک بیٹھا ہُوا ہے۔ بیس سکھ پا بہ زنجیر حاضر ہیں۔ احمد شاہ کے وزیر و مشیر اور درباری بھی موجود ہیں۔

اِن سکھوں کو سردار بلند خاں نے گرفتار کر کے ابدالی کی خدمت میں بھیجا ہے۔ بادشاہ نے بلند خاں کو حُکم دیا تھا۔ لہٰذا اُس نے سکھوں کے دیہات پر حملے کئے۔ اور اُن کو گرفتار کر کے ابدالی کے پاس بھیج دیا ہے۔

جب احمد شاہ ابدالی برنالہ سے لاہور واپس آ رہا تھا تو سکھوں کی ایک جماعت نے اُس پر حملہ کر دیا۔ اور افغان سپاہیوں کے مقابلے کے باوجود سکھ، بادشاہ کا بہت سا قیمتی مال و اسباب اور خزانہ لوٹ کر لے گئے۔

اِس واقعہ نے احمد شاہ ابدالی کو مشتعل کر دیا۔ اور اُس نے سردار بلند خاں کو ان کی سرکوبی کا اشارہ کیا۔ جس نے کچھ سکھ گرفتار کر کے اُس کے پاس بھیج دیئے۔ پس اس وقت وُہی سکھ قیدی کی حیثیت سے بادشاہ کے رُوبرُو پیش ہیں۔

احمد شاہ ابدالی۔ تم کون لوگ ہو؟

ایک سکھ۔ ہم سنگھ ہیں۔

بادشاہ۔ (اپنے مترجم سے) سنگھ کے کیا معنی؟

مترجم۔ حضور، "سنگھ" شیر کو کہتے ہیں

بادشاہ۔ شیر کو کہتے ہیں! خوب! تو یہ شیر ہیں! (ایک سکھ سے) کیا تم واقعی شیر ہو؟

ایک سکھ۔ بے شک! ہم شیر ہیں! بلکہ شیر ببر۔

بادشاہ۔ شیر ہو تو کیا ہاتھی سے لڑو گے؟ کیوں! کیا تیار ہو!

وُہی سکھ۔ کیوں نہیں لڑیں گے۔! مگر بات یہ ہے کہ......

بادشاہ۔ کہو کیا بات ہے؟

سکھ۔ حضور! قیدی اور کٹہرے میں بند شیر، ہاتھی کا مقابلہ خاک کر سکتا ہے؟

بادشاہ۔ اور اگر تمہیں آزاد کیا جائے تو کیا پھر ہاتھی سے جنگ کرنے کو تیار ہو؟

سکھ۔ بے شک۔! مجھے تلوار بھی عنایت کی جائے! میں ہاتھی کے ٹکڑے

اُڑا دُوں گا۔! ابھی! اسی وقت!

بادشاہ۔ خُوب! اور جوان تمہارا نام کیا ہے؟

سِکھ۔ حضُور! مجھے لوگ ہاٹھو سِنگھ کہتے ہیں۔

بادشاہ۔ اِس جوان کی زنجیریں کاٹ دو اور اِسے ایک تلوار بھی دیدو۔

ہاٹھو سنگھ کو آزاد کر دیا گیا۔ اور اُسے ایک تلوار بھی دیدی گئی۔ اِسکے بعد ایک خُونی ہاتھی اُس کی طرف ریل دیا گیا۔

جب ہاتھی ہاٹھو سنگھ کی طرف بڑھا تو وُہ جوان بدحواس نہیں ہُوا۔ بلکہ اُس نے اُچھل کر پُورے زور کے ساتھ ہاتھی کے تلوار کا ہاتھ مارا۔ جو اُس کے سُونڈ پر لگا۔ اور ایسا بھرپُور اور پُرزور کہ سُونڈ کٹ کر الگ جا پڑا۔

اب تمام دربار نے دیکھا کہ ہاتھی چیختا اور چنگھاڑیں مارتا ہُوا بھاگا جا رہا ہے۔

تمام درباری تحسین و آفریں کر رہے تھے اور دربار اُن کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ بادشاہ کی زبان سے بھی بے اختیار نکلا "شاباش بہادر شاباش! زندہ باد!"

بادشاہ (ایک دُوسرے سکھ سے) جوان تمہارا نام کیا ہے۔

سِکھ۔ حضُور! میرا نام راون سنگھ ہے!

بادشاہ۔ خُوب! ہمارے پہلوان سے کُشتی لڑو گے

راون سنگھ۔ حضور! کیوں نہیں! ہمارا اور کام ہی کیا ہے!

بادشاہ۔ شیر خاں کو بلاؤ۔

شیر خاں پہلوان آگیا اور اُس سے راون سنگھ کی کُشتی ہونے لگی دونوں طرف سے گاؤ زوری اور داؤ پیچ ہو گئے۔ اور آخر کار راون نے درباری پہلوان

کو پچھاڑ لیا۔
دربار میں پھر تحسین و آفریں کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور سکھوں کو ہر شخص
بنگاہِ تعریف دیکھنے لگا۔ بادشاہ بھی بے حد خوش ہوئے
بادشاہ۔ واہ وا! ایسے بہادروں کو قید رکھنا یا تہِ تیغ کرنا انصاف اور
شرافت سے بعید ہے۔ آزادی اور زندگی اِن کا حصّہ ہے۔
بادشاہ نے یہ کہہ کر اِن سب کو آزاد کر دیا۔
اِن سکھوں کو اظہارِ جرأت و شجاعت کا یہ انعام مِلا۔

(۲)

احمد شاہ دُرّانی نے پنجاب اور ہندوستان پر کئی بار حملے کئے
نادر شاہ، والی کابل کے قتل کے بعد ۱۷۴۹ء میں اُس کے مشرقی مقبوضات
پر احمد شاہ دُرّانی قابض ہوگیا۔ اور اُس نے ۱۷۵۰ء میں پنجاب بھی اپنی
حکومت میں شامل کر لیا۔
مشہور حملہ ۱۷۶۱ء میں ہوا جس میں احمد شاہ نے مرہٹوں کو شکست
فاش دی جو جنگ پانی پت کے نام سے مشہور ہے، مرہٹہ فوج میں بھی بہت سے مسلمان افسر اور
سپاہی شریک ہوئے جنہوں نے اپنے ہم مذہب افغانوں سے جنگ کی۔ وہ تمام عمر
کی فتح میں کوشاں رہے۔ اور بہت سے مسلمان اُن کے مقاصد پر فدا ہوئے۔
اِس وقت دہلی میں احمد شاہ مغل، برائے نام حکمران تھا۔ جو طاقت باقی
رہ گئی تھی وہ بھی دوسروں کے قبضے میں تھی۔ صوبے کے صوبے۔ نیم آزاد بلکہ
آزاد ہو چکے تھے۔
پنجاب میں بھی عام بدامنی تھی۔ مرہٹے یہاں سے خارج ہو چکے تھے۔ جب
ابدالی، دہلی۔ علی گڑھ اور متھرا کی طرف چلا گیا۔ تو پنجاب میں سکھوں نے زور دکھایا

جب دُرانی برنالہ (پٹیالہ) سے لاہور کی طرف آ رہا تھا تو سکھوں کی ایک جماعت نے نتائج سے بے نیاز ہو کر اُس پر حملہ کر دیا۔
مگر بادشاہ نے اِن لوگوں کا قصور معاف کر دیا۔



# ۱۱۔ رشتۂ اُلفت

## (ہندوؤں نے سکھوں کی اِمداد کی)



شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر۔ قلعہ دہلی کے اندر اپنے محل میں بیٹھے ہوئے منشی نند لال ملتانی سے گفت و شنید کر رہے ہیں۔

بادشاہ۔ شہزادہ معظم شاہ نے۔ پنجاب کے راجاؤں۔ اور رئیسوں کو سیدھا کر دیا۔ اب انہیں اپنی طاقت کا اندازہ ہو گیا ہے۔ وہاں شہزادہ کی فوجوں نے اُن کا زور بالکل توڑ دیا ہے۔

منشی نند لال۔ مبارک ہو! یہ سب شاہی اقبال کا صدقہ ہے کہ باغیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اب وہ امن پسند شہری بن گئے ہیں۔

بادشاہ۔ تاہم ابھی پنجاب میں کامل امن و امان نہیں ہوا سکھ بدستور

سر اُٹھا رہے ہیں۔ لہٰذا اُن کی سرکوبی کے واسطے پنجاب کو ایک زبردست لشکر جانا چاہیئے۔ جو سکھوں کا کامل استیصال کر سکے۔ اور اس کا انتظام جلد تر ہونا چاہیئے۔ ورنہ فتنہ کے زیادہ ترقی کرنیکا اندیشہ ہے۔

منشی نند لال۔ جہاں پناہ! اب پنجاب میں مزید فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ گورو گوبند سنگھ ایک فقیر مزاج آدمی ہیں۔ اُن کے بزرگ بھی ہمیشہ مطیع اور وفادار رہے ہے۔ اُن کا خاندان پنجاب بھر میں مشہور اور مختار رہے

بادشاہ۔ لیکن دربار میں گوبند سنگھ کے خلاف شکایات دھیئے آتی رہتی ہیں۔ پھر آپ یہ کیا کہتے ہیں!۔

منشی نند لال۔ شکایات کرنے والے دراصل گورو جی کے مخالف ہیں اُن کو خواہ مخواہ گورو جی سے دشمنی ہو گئی ہے۔ اور زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ اُن کی برادری اور خاندان ہی کے آدمی ہیں۔

بادشاہ۔ ہاں! ان کے خلاف اُن کے رشتہ داروں نے بھی عرضیاں بھیجی ہیں۔

منشی نند لال۔ جہاں پناہ! وُہی لوگ گورو جی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ورنہ گورو جی اپنی ذات سے شریف اور امن پسند آدمی ہیں۔ اور عالی خاندان بھی ہیں۔!

بادشاہ۔ تم اُن کی سفارش کرتے ہو! اچھا کیا کیا جائے؟

منشی نند لال۔ خادم حضور کے اقبال سے یہ معاملہ خود سنبھال لے گا۔ فدوی شہزادہ معظم اور گورو صاحب کے درمیان سلسلہ رسل و رسائل قائم کرا کے اُن کے درمیان رابطہ محبت قائم کرا دیگا۔ گورو جی وفادار بن جائیں گے اور آیندہ کوئی قباحت نہیں نکلے گی۔ جہاں پناہ بالکل مطمئن رہیں!

(۲)

شہنشاہ عالمگیر کے میر منشی نند لال ملتانی نے گورو گوبند سنگھ اور شہزادہ معظم کے درمیان خط و کتابت کرا کے باہم دوستی اور اتحاد کا سلسلہ قائم کرا دیا۔ جس سے گورو صاحب نیز شہزادہ اور شہنشاہ کو مسرت ہوئی۔

اس واقعہ کے مفصل حالات خود گورو گوبند سنگھ جی نے اپنی خود نوشت سوانح عمری "بچتر ناٹک" میں تحریر کئے ہیں۔

گورو گوبند سنگھ جی اپنے والد گورو تیغ بہادر کے بعد اُن کی بجائے ۱۶۷۶ء میں گدی پر بیٹھے اور انہوں نے سکھ قوم میں بہادرانہ روح پھونکنے کی کوشش کی۔ چنانچہ گورو جی نے سنہ ۱۶۷۰ء میں تلوار کو سکھوں کا مذہبی نشان قرار دیا۔ اور اب تلوار باندھے بغیر کوئی سچا سکھ نہیں بن سکتا تھا۔ اُنہوں نے پہاڑی راجاؤں اور مغل فوج سے جنگیں کیں۔ مگر اس کے بعد گورو صاحب کی شہزادہ معظم شاہ سے دوستی ہو گئی۔ وہ بادشاہ کے وفادار بن گئے۔ اور یہ شہنشاہ عالمگیر کے میر منشی نند لال کے وسیلے سے ہوا۔ جیسا کہ تحریر ہوا۔

گورو صاحب نے ۱۷۰۸ء میں ناندیر (دکن) میں وفات پائی۔ اور آپ آخری گورو تھے۔



# ۱۲۔ حُسنِ تدبیر

## ہندو اور مُسلمان نے سِکھ کی مدد کی

(۱)

مہاراجہ رنجیت سنگھ، لاہور کے قلعے میں مُتفکر بیٹھے ہیں۔ دیوان مُحکم چند بھی حاضر ہیں۔

مہاراجہ۔ اٹک کی خبریں تشویش ناک ہیں۔ فتح خاں اپنا توپ خانہ لے کر آ پڑا ہے۔ توپیں مُتواتر چل رہی ہیں۔ ہر روز گولہ باری ہوتی ہے۔ اگرچہ ہماری فوج نے بھی دُشمن پر بڑی جان بازی سے آگ برسائی تاہم اب وُہ محصُور ہے ـــــ ہمارے وفادار مُصیبت میں گھرے ہُوئے ہیں۔

دیوان مُحکم چند۔ ! افغانوں نے خُوب موقع تاکا وُہ بڑے عیّار ہیں

مہاراجہ۔ کچھ شک نہیں کہ ہمارا لشکر سخت تکلیف اور تنگی میں ہے۔ قلعے کے اندر کا سامان رسد چند روز میں ختم ہو جائے گا۔ پھر کیا میرے بچے فاقہ کشی کر کے دم توڑیں گے! ایسے حالات میں دُشمن کا قلعہ سَر کر لینا بھی تعجب کی بات نہیں ہے!

دیوان محکم چند۔ ہماری فوج بے شبہ مصیبت میں پھنس گئی ہے
مہاراجہ۔ تو آپ ہی کو اُدھر جانا چاہیئے۔
دیوان محکم چند۔ خادم تو حکم کا بندہ ہے۔ جیسا حکم ہو گا بسر آنکھوں سے تعمیل کرے گا۔
مہاراجہ۔ آپ شہزادے کھڑک سنگھ کے ساتھ جائیے۔ ہم تمہیں اس مہم میں کامل اختیار دیتے ہیں۔ جیسا موقع ہو ویسا ہی کرنا۔ اگر محاصرہ ٹوٹنا ناممکن ہو تو مصالحت کر لینا۔ قلعہ چلا جائے پروا نہیں۔ مگر میرے بہادروں کی جان بچ جائے اور وہ بھوک کے عذاب سے ہلاک نہ ہونے پائیں۔
دیوان۔ بہت بہتر مہاراج! ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔

(۲)

سرائے برہان پور کے قریب سکھوں کی فوج پڑی ہوئی ہے۔ تاہم اس میں بہت سے افسر اور سپاہی ہندو اور مسلمان بھی ہیں۔
ایک خیمے کے اندر شہزادہ کھڑک سنگھ اور دیوان محکم چند بیٹھے ہوئے صلاح و مشورہ کر رہے ہیں۔
دیوان محکم چند۔ وزیر فتح خاں کا جواب آ گیا ہے۔ فرمائیے اب کیا کیا جائے؟
شہزادہ۔ مہاراجہ نے تمام اختیارات آپ ہی کو عطا کیے ہیں۔ پس جو مناسب معلوم ہو وہی کیجئے۔
دیوان۔ میں نے صلح کی کوشش کی تھی اور اسے لکھ بھیجا تھا کہ محاصرہ اُٹھا لو یا رستہ دے دو کہ ہماری فوج باہر نکل آئے۔ اس کے بعد تم قلعہ پر اپنا قبضہ کر لینا۔ میں نے مجبور ہو کر یہ پیغام بھیجا تھا۔ کیونکہ اس کے سوا اور چارہ

کارہی کیا تھا۔ دشمن نے قلعہ ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اور اندر ہمارے

سپاہی بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ افسوس!

شہزادہ۔ بے شک! مناسب تدبیر یہی تھی۔ اور کیا ہو سکتا تھا!

دیوان۔ لیکن وہ ہماری تجاویز نہیں مانتا۔ بلکہ کہتا ہے کہ اپنی فوج

کو ہدایت بھیجو کہ وہ اندر سے قلعہ کا پھاٹک کھول دے۔ تاکہ اس میں پہلے افغان

فوج داخل ہو جائے۔ اور اس کے بعد سکھ فوج باہر نکلے۔

شہزادہ۔ اس صورت میں اگر افغان بدعہدی کریں تو ہمیں نقصان

پہنچا سکتے ہیں!

دیوان۔ یہی تو اندیشہ مجھے بھی ہے۔ مبادا کہ افغان فوج، ہماری نیم مردہ

سپاہ کو کاٹ ڈالے۔ ایسی حالت میں ہمیں دوہرا نقصان ہوگا۔ فوج بھی

تباہ ہوگی۔ اور قلعہ بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔

شہزادہ۔ بے شک! آپ کا اندیشہ بجا ہے! مگر اب کیا کیجے گا!

دیوان (کچھ سوچ کر) میں نے ایک تدبیر سوچ لی ہے۔ یہ چال ضرور

کامیاب ہو جائے گی

اس کے بعد دیوان نے شہزادہ کو اس تدبیر کی تفصیل بتائی جسے سن

کر شہزادہ مسرور ہو گیا۔

———(۳)———

قلعہ اٹک کے سامنے افغان فوج کیل کانٹے سے درست آمادۂ پیکار

کھڑی رہے۔

دس کوس کے فاصلے پر سکھ فوج بھی مستعد استادہ ہے۔ دیوان

محکم چند معہ فوج سرائے برہان پور سے کوچ کر کے دریائے سندھ کے کنارے

کنارے قلعہ اٹک کی سمت آگے بڑھے اور انہوں نے چھ کوس کا فاصلہ طے
کرنے کے بعد فوج سامنے کھڑی کر دی ہے۔

یہ حالت دیکھ کر افغان فوج میں حرکت پیدا ہو گئی۔ گھوڑے ہنہنانے لگے
اور لشکر سے خاص شان ظاہر ہو رہی تھی۔

سب سے آگے اُن کی مُلکیہ فوج ہے۔ جو صرف جامِ شہادت نوش کرنے
ہی آئی ہے اور جان سے بے پرواہ ہے۔ اُس کے پیچھے سردار دوست محمد خاں
کا مُسلح رسالہ پرا جمائے کھڑا ہے۔ فوج کے دائیں بائیں دو توپ خانے بھی ہیں
دیوان محکم چند ہاتھی پر سوار سکھ فوج کے آگے ہیں۔ شہزادہ کھڑک سنگھ
ہمرکاب ہے۔ دیوان محکم چند نے کوئی نصف گھنٹہ یہاں کا رنگ دیکھا۔ پھر اپنے
دل میں کوئی فیصلہ کر کے سوار فوج کے چار حصّے کئے۔ اِس کے بعد پیادہ
فوج کو چار گوشہ فوج بنا کر کوچ کرنے اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سکھ
فوج آگے بڑھنے لگی۔

اب افغان فوج کو تاب کہاں! سِکھوں کی پیش قدمی دیکھ کر وُہ بھی
آگے بڑھی۔ چُنانچہ مُلکیہ فوج نے سِکھ پلٹن کے اوپر حملہ کر دیا۔ اور گھمسان
کا رن پڑا۔

دیوان نے یہ رنگ دیکھ کر توپ خانہ کے افسر غوث خاں کو آگے
بڑھنے اور پلٹن کی امداد کرنے کا حکم دیا۔ مگر یہ دیکھ کر دوست محمد توپ خانہ
پر آپڑا۔ غوث خاں ابتک فیر بھی نہیں کرنے پایا تھا۔

دیوان محکم چند، یہ کمزوری محسُوس کرتے ہی ہاتھی سے کُود کر گھوڑے پر
سوار ہوا۔ اور اپنا توپ خانہ آگے بڑھا کر فوراً آگ برسانی شروع کر دی۔
زبردست جنگ ہُوئی۔ صبح سے دوپہر ہو گئی۔ اب گرمی نے زور دکھانا

شروع کیا۔ آفتاب سروں پر آتش باری کر رہا تھا۔ لُو، بہادروں کے چہرے جُھلسائے دیتی تھی۔ اور آسمان سے سخت آگ برس رہی تھی۔
گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُڑا ہوا گرد و غبار اور بارُوت کا دھواں علیحدہ ناک میں دم کئے دیتا تھا۔
اِس کا اثر افغان فوج پر نمایاں تھا۔ کیونکہ وُہ سرد مُلک کی رہنے والی تھی۔ پس اُس کے ہاتھ سُست پڑنے لگے۔ سپاہی بے دل سے ہو گئے اور آخر کار راہِ فرار اختیار کی۔ سِکھ فوج نے تعاقب کا ارادہ کیا۔ مگر دیوان جی نے اشارہ کر کے روک دیا۔ کیونکہ وُہ جانتے تھے کہ اُن کی فوج کو بھی گرمی نے نیم مُردہ کر دیا ہے۔ پس اتنی فتح ہی غنیمت ہے۔
اب سکھ بہادروں نے قلعہ کا رُخ کیا۔ تھوڑی سی افغان فوج جو قلعے کے گرد موجُود تھی سِکھوں کو رُوبرُو آتے دیکھ کر وہاں سے چل دی۔
سِکھ فوج فتح کے نقارے بجاتی ہُوئی قلعے میں داخل ہُوئی۔ غلے کے ہزاروں اونٹ اس کے اندر پہنچے۔ اناج فوراً فوج میں تقسیم کیا گیا۔ اور اِس طرح دیوان محکم چند کی غیر معمُولی شجاعت اور حُسنِ تدبیر نے فاقہ کش بہادروں کی جان موت سے بچائی :۔
یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ سکھ مہاراجہ کا جان نثار محکم ہندُو تھا تو غوث خاں توپچی مُسلمان !
لیکن اس جنگ میں سب نے تعاون کیا۔ گو ان کا مذہب مُختلف تھا اِس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ مذہبی جنگ نہیں تھی

# ۱۳۔ دلیر و جری

## مُسلمان اور ہندو نے سِکھ کی مدد کی

(۱)

دیوان کوڑامل ۔ لاہور کے قلعے کے اندر بیٹھے ہوئے میر مُعین الملک سے گفتگو کر رہے ہیں۔

دیوان کوڑامل ۔ یہ قوم بڑی بہادر ہے۔ اِس کی خدمات سے کام لینا چاہیئے۔ ایک ایک سِکھ جاں باز ہے۔

میر مُعین المُلک ۔ تو کیا کیا جائے؟ آپ کی رائے میں کیا مُناسب ہوگا

دیوان ۔ ان لوگوں کو شاہی مُلازمت میں لیا جائے! اگر حضور حُکم دیں تو اُنہیں فوج میں بھرتی کر لوں۔

میر مُعینُ المُلک ۔ اگر یہ صورت واقعی مُفید ہے تو ہماری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔

دیوان کوڑامل نے کئی ہزار سِکھ امرتسر سے بھرتی کئے ۔ آٹھ آنے یومیہ فی پیادہ اور ایک روپیہ روزانہ فی سوار اُن کی تنخواہ مقرر ہوئی۔

اِن سب کو فوجی قواعد وغیرہ سکھائی گئی۔ اور وہ قواعد واں فوجی بن گئے

(۲)

میر معین المُلک۔ دیوان صاحب! ہم آپ کی کارگزاری اور تدبیر سے بُہت خوش ہیں۔ اگرچہ جنگ نے طُول کھینچا۔ اور کئی ماہ صرف ہو گئے۔ تاہم دُشمن سے نجات پائی ہاں۔ کس بہادر نے نواز خاں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ پیش تو کیجیے۔

دیوان۔ بہت مُبارک حضُور!

دیوان صاحب نے ایک لمبے تڑنگے سِکھ جوان کو پیش کیا۔

میر معین المُلک۔ شاباش! بہادر شاباش!۔ تمہاری شجاعت پر ہزار آفریں۔ بہادر تمہارا نام کیا ہے؟

جوان سِکھ۔ حضُور میرا نام بھیم سنگھ ہے

میر معین المُلک۔ تمُ واقعی بھیم ہو! تم نے نواز خاں کو ٹھکانے لگا کر یہ بات ثابت کر دی۔ ہم تم سے بُہت خوش ہیں۔

اِس کے بعد معین المُلک نے بھیم کو دس ہزار روپیہ اور خلعت عطا کیا۔

دیوان۔ حضُور کو معلوم ہے کہ سِکھوں کا امرتسر والا مقدس تالاب مٹی سے بھر دیا گیا ہے۔

معین المُلک۔ ہمیں معلوم ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟

دیوان۔ سِکھوں نے حضُور کی بڑی خدمت کی۔ پس اس کے صِلے میں مقدس تالاب صاف کرا دیا جائے۔ تو یہ لوگ آپ کی جان و مال کو دُعائیں دیتے رہیں گے۔

معین المُلک۔ بُہت اچھا! تالاب سے مٹی نکلوا کر اُسے صاف کرا دیجیے اور پانی بھروا کر اُن بہادروں کے حوالے کیجیے اور تمام اخراجات خزانے سے لیجیے

بھیم سنگھ ۔ نواب کے اقبال کو چار چاند لگیں۔

دیوان ۔ حضرت سلامت خوب واقف ہیں کہ سکھوں پر دنیا تنگ کر دی گئی ہے۔ ہر جگہ ان بے چاروں کی مخالفت کی جاتی ہے بلکہ جہاں کہیں کسی کو کوئی سکھ نظر آجاتا ہے اسے فوراً تہ تیغ کر دیا جاتا ہے۔

معین الملک ۔ یہ تو سخت ظلم ہے اچھا آپ ہر طرف احکام بھیج دیں کہ کوئی شخص کسی سکھ کو نہ ستائے۔ نہ قتل کرے۔ اور جو ایسی حرکت کرے اسے گرفتار کر کے سخت سزا دی جائے۔

حاضر سکھ ۔ نواب صاحب زندہ باد!

معین الملک ۔ دیوان صاحب! ہم آپ کی خدمات کے صلے میں آپ کو مہاراجہ کا خطاب دیتے ہیں۔

تمام حاضرین ۔ نواب صاحب کے اقبال کو چار چاند لگیں۔

دیوان ۔ یہ سب شاہ نواز خاں کی زیادتیاں تھیں بے شک اب ان مظالم کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے۔
ہاں حضور! ان لوگوں کی جاگیریں بھی ضبط ہو چکی ہیں۔ اگر حضرت کی عنایت سے واگزار ہو جائیں تو یہ لوگ ہمیشہ دعاگو اور وفادار رہیں گے۔

معین الملک ۔ بے شک ان کی جاگیریں واگزار ہونی چاہئیں۔ جاگیریں کہاں کہاں تھیں اور کتنی آمدنی کی؟

دیوان ۔ چونیاں (ضلع گوجرانوالہ) میں تھیں۔ اور ڈیڑھ لاکھ سالانہ کی۔

معین الملک ۔ تو واگزاری کے احکام جاری کر دیجئے۔

سب ۔ حضرت نواب زندہ باد!

معین الملک۔ ہماری طرف سے دس ہزار روپیہ بھی مندروں کے نذرانہ کی مد میں بھیج دو۔

حاضرین۔ ایسے سخی نواب ہزاروں برس حکومت کریں۔

(۳)

ملتان نواب میر معین الملک کے حکم سے سکھوں کا مقدس تالاب صاف ہو گیا۔ ڈیڑھ لاکھ کی جاگیر واگزار ہو گئی۔ اُن کا قتل بند ہوا۔ انہیں تمام شہری حقوق مل گئے۔ سکھ سرکاری فوج میں داخل ہو گئے۔ دیگر ملازمتیں بھی اُن کو دی گئیں اور مندروں کو نذرانہ بھیجا گیا۔

نواب معین الملک! شاہ دہلی احمد شاہ کے وزیر نواب قمر الدین کے فرزند تھے۔ ملتان کے نواب بھی وہی تھے۔ اور اب وہاں کا نائب دیوان کوڑامل تھا دیوان کوڑامل نے نواب کے واسطے ملتان بھی فتح کیا تھا۔

شاہ نواز خاں۔ جو نواب کہلاتا تھا۔ نواب یحیٰی خاں کا بھائی تھا۔ اس کا اصل نام حیات اللہ خاں تھا۔ وہ ابتدا میں شاہ دہلی کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا۔

شاہ نواز خاں پدری ورثہ کی تقسیم کے خیال سے مع فوج لاہور آیا۔ شالامار کے قریب لشکر اُتارا اور اپنے دیوان سورت سنگھ کو اپنے بھائی نواب یحیٰی خاں کے پاس بھیجکر مصالحت کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ لہذا بھائیوں میں تلوار چلی:۔

نتیجہ جنگ یہ نکلا کر نواب یحیٰی خاں اور اِن کے وفادار دیوان لکھپت رائے اسیر ہوئے۔

احمد شاہ درانی کے حملہ کے وقت شاہ نواز لاہور سے بھاگ گیا۔ اور شاہ

دہلی کی امداد سے دیوان لکھپت رائے وغیرہ آزاد ہوئے۔
شاہ نواز واپس ہوا تو دیوان کوڑا مل نے سکھوں کی مدد سے اُسے شکست دی جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور ملتان کی حکومت بھی حاصل کی۔



# ۱۸۔ مُسافر نوازی

## ایک ہندو نے مُسلم سیّاح کی تواضع کی

(۱)

شہر کولم میں ایک اجنبی مُسافر بیٹھا ہوا۔ کیلوں کے پتّوں کے اُوپر کھانا کھا رہا ہے۔ یہ نووارد ہے۔

شہر کولم مُلک مالا بار میں واقع ہے۔ جنوبی ہند کے مغربی ساحل کو مالا بار کہتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ ساتھ پہاڑیوں کا سلسلہ دُور تک چلا گیا ہے۔ اِس ساحل سے سمندر یعنی بحرِ ہند ٹکراتا ہے۔ دکن کی شکل مثلث نُما ہے اور مالا بار دکن ہی کا جُزو ہے۔

کولم سے سنداپور تک ساحل سمندر کے کنارے کنارے ایک طویل سڑک چلی گئی ہے۔ پیدل کا راستہ کوئی دو مہینے کا ہے۔ اور سڑک کے ہر دو جانب

سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔

پھر نصف میل کے بعد ایک چوبی مکان آتا ہے جس میں دکانیں اور چبوترے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں ہر مذہب و ملت کے لوگ ہندو مسلمان وغیرہ آرام کرتے ہیں یہ سب یہاں کے راجاؤں نے بنوائے ہیں۔

ہر مکان کے پاس ایک ایک کنواں ہے جس پر ایک ہندو پانی پلانے کے واسطے بیٹھا رہتا ہے۔ جو ہر مذہب و ملت کے آدمیوں کو پانی پلاتا ہے۔ یہ رستہ نہایت پُرامن اور خوشگوار ہے۔

اس ملک پر بارہ راجے حکومت کرتے ہیں۔ جب ایک راجہ کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے تو دوسرے کی حد شروع ہوتی ہے۔ اور وہاں لکڑی کا دروازہ ملتا ہے۔ اس دروازہ پر آگے کے راجہ کا نام کندہ ہوتا ہے۔ پس یہ راجہ کی امان و پناہ کا دروازہ ہے۔

اجنبی مسافر۔ آپ نے مجھے کیلے کے پتوں پر کھانا کیوں دیا؟ اس کی وجہ کیا ہے۔

میزبان۔ ہمارے یہاں یہی رسم و رواج ہے۔

مسافر۔ کیا آپ مجھے اپنے برتنوں میں نہیں دے سکتے ہیں۔

میزبان۔ کیوں نہیں! مگر آپ کو برتن دیکر ہم واپس نہیں لیں گے۔ بلکہ وہ آپ کو اپنے ساتھ لے جانے ہوں گے۔ اگر آپ کہیں گے تو شام کا کھانا آپ کو برتنوں میں کھلا دیں گے۔

ہاں! آپ کا نام کیا ہے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ اور کہاں جا رہے ہیں؟

مسافر۔ میرا نام ابن بطوطہ ہے میں مصر (افریقہ) کا باشندہ ہوں

اور دُنیا کی سیر و سیاحت کر رہا ہوں۔

میزبان۔ خُوب! پھر تو آپ بڑے عالم اور مُعزز آدمی ہیں ـــ ہم آپ کی ہر طرح خدمت کریں گے۔ یہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے پائے گی۔

(۲)

کولم کے بڑے بازار کے چوراہے میں پھانسی کھڑی کی گئی ہے۔ اور پولیس کے سپاہی، ایک مُلزم کو پکڑے کھڑے ہیں۔ اِسی کو پھانسی دی جائیگی۔

ابن بطوطہ (ایک آدمی سے) اس نے کیا جرم کیا ہے جو پھانسی پر چڑھایا جاتا ہے۔

وُہ آدمی۔ اِس نے بہت سخت جُرم کیا ہے۔

ابن بطوطہ۔ آخر کیا! بتاؤ تو سہی!

آدمی۔ اِس نے چوری کی ہے۔

ابن بطوطہ۔ تو کیا تمہارے مُلک میں چور کو پھانسی دیتے ہیں۔

آدمی بے شک! یہاں چور کو یہی سزا دی جاتی ہے۔

ابن بطوطہ۔ آخر اُس بے چارے نے چرایا کیا تھا۔

آدمی۔ اِس نے ایک ناریل چُرایا ہے

ابن بطوطہ اوہ! ایک ناریل کیواسطے پھانسی دی جارہی ہے یہ عجیب مُلک ہے

آدمی۔ اِسی واسطے یہاں برسوں بھی چوری نہیں ہوتی۔

(۳)

آدمی کی حویلی کے سامنے۔ ایک مقتول کی نعش رکھی ہُوئی ہے۔ مقتول

مسلمان ہے۔ اور اُسے ایک عراقی تیر انداز نے نشانہ بنایا ہے۔ پولیس بھی موجود ہی
ایک پولیس مین۔ جب تک قاتل ہمارے حوالے نہیں کیا جائیگا۔ اُس
وقت تک یہ نعش دفن نہیں ہو سکتی ہے۔ کیا تم قانون سے واقف نہیں ہو۔
آقوجی۔ میں خوں بہا اپنے پاس سے دیتا ہوں۔ آپ مقتول کے وارثوں
کو روپیہ دلوا دیجئے۔ قاتل نے میری پناہ لی ہے۔ میں اُس کی جان بچانا
چاہتا ہوں۔

پولیس افسر۔ یہ ناممکن ہے۔ قاتل کو پھانسی دی جائیگی ہاں خون کا بدلہ
خون سے لیا جائیگا۔ قاتل کی جان نہیں بچ سکتی۔

پولیس نے قاتل کو گرفتار کر کے پھانسی گھر بھجوا دیا۔ اور مقتول کی نعش
دفن کی گئی۔

یہ واقعات خود ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھے ہیں۔



# ۱۵۔ ہمزلف

## مسلم نے ہندو کو کیا کیا دیا؟

(۱)

مرزا عبدالرحیم خاں خاناں کے محل میں اچھا خاصا دربار لگا ہوا ہے۔

عالم ۔ فاضل ۔ شاعر ۔ پنڈت اور بھاٹ موجود ہیں ۔۔۔ ایک بھاٹ نے کبت کہنا شروع کیا ۔ تو تمام حاضرین اس کی طرف متوجہ ہو گئے ۔ یہ اس کی شاعری تھی ۔۔۔ کبت کا مطلب حسب ذیل تھا

"چکوا چکوی سے کہتا ہے ۔ کہ خدا کرے خاں خاناں کا سمند فتوحات سمیر پہاڑ تک جا پہنچے ۔ وہ بڑا سخی داتا ہے سب بخش دے گا ۔ پھر ہمیشہ دن ہی دن رہے گا ۔ اور ہم تم عیش کریں گے ۔ ہمیشہ وصل رہے گا ۔ اور مصیبت فراق کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے ہو جائیگا ۔

مشہور ہے ۔ کہ چکوا اور چکوی نر و مادہ پرند ہیں ۔ سُرخاب بھی شائد یہی ہیں ۔ ان کا جوڑا دن بھر تو ایک جگہ رہتا ہے ۔ مگر رات کو ہر دو دریا کے وار پار الگ الگ جا بیٹھتے ہیں ۔ یعنی رات کو بادلِ نخواستہ جدا ہو جاتے ہیں ۔

سمیر پہاڑ کے متعلق ہندو روایات میں آیا ہے کہ سورج ہر شام سمیر پہاڑ کے نیچے جا چھپتا ہے ۔ گویا چکوے چکوی کی جدائی کا باعث وہی ہے ۔ وہ نہ ہو تو رات ہی نہ ہو اور ہمیشہ دن ہی رہے اور چکوے چکوی کو الگ نہ ہونا پڑے "

یہ ایک شاعرانہ خیال ہے اور محض کسی شاعر کے دماغ کی پیداوار !

کبت کے اس جدید و نادر مضمون سے تمام دربار پھڑک گیا ۔ سب نے بھاٹ کی شاعری کی تعریف کی اور خان خاناں بھی بے حد مسرور ہوئے ۔

خان خاناں ۔ پنڈت جی آپ کی عمر کس قدر ہے ؟

بھاٹ ۔ حضور ! پینتیس ۳۵ سال ۔ اس دنیا میں آئے ہو چکے ہیں

خان خاناں ۔ ۳۵ ۔ اچھا منشی میں سے گئے پینتیس ۳۵ تو باقی کتنے رہے ۔

ایک منشی ۔ حضور ! پینسٹھ بچے (۶۵)

خان خاناں (خزانچی سے) پینسٹھ سال کے دن جسقدر ہوتے ہیں فی دن پانچ روپے کے

خزانچی نے (۶۵ × ۳۶۵ × ۵) روپیہ یعنی ایک لاکھ اٹھارہ ہزار آٹھ سو پچیس روپیہ بھاٹ کی نذر کئے۔ اور وُہ خاں خاناں کی جان و مال کو دعائیں دیتا ہُوا چلا گیا۔

(۲)

نوکر۔ حضور ایک غریب آدمی دروازے پر کھڑا ہے اور وُہ اندر آنا چاہتا تھا۔ میں نے پھٹے کپڑے دیکھ کر اُسے روک دیا۔ مگر وُہ ایک عجیب بات کہتا ہے۔

خان خاناں۔ وُہ کون ہے۔ اور کیا عجیب بات کہتا ہے؟

نوکر۔ مجھے تو وُہ کوئی جو کا برہمن معلوم ہوتا ہے۔

خان خاناں۔ اور کہتا کیا ہے!

نوکر۔ اگر میں اِس کے الفاظ دُہراؤں تو گستاخی ہوگی

خان خاناں۔ نہیں! نہیں بتاؤ وُہ آخر کہتا کیا ہے! تکلف کی ضرورت کیا ہے۔!

نوکر۔ وہ کم بخت تو کہتا ہے۔ کہ "حضور کا ہم زلف ہے"۔ اِس کی بی بی بھی ساتھ آئی ہے۔

خاں خاناں۔ (سوچ کر) اچھا اُسے لاؤ۔

برہمن آیا اِس کے کپڑے میلے کچیلے اور پھٹے پرانے تھے۔ اور اِس پر گویا نحوست برس رہی تھی۔ تاہم خان خاناں نے اُسے عزت کے ساتھ اپنے برابر بٹھایا۔

خان خاناں۔ کہئے پنڈت جی مہاراج کدھر سے آنا ہوا۔

برہمن۔ کاشی جی سے چلا آ رہا ہوں۔

خان خاناں۔ آپ کا نام؟

برہمن۔ کرشن

خان ۔ میں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا ۔ خوب ہُوا کہ آپ یہاں آ گئے

برہمن ۔ حضور کی سخاوت مجھے اِدھر کھینچ لائی ۔

خان ۔ آپ نے شاید کچھ رشتہ ناطے کا بھی تذکرہ کیا تھا ؟

برہمن ۔ جی حضور ! مصیبت اور راحت دو بہنیں ہیں ۔ قسمت نے مصیبت کا رشتہ مجھ سے جوڑا ۔ اور راحت سے آپ کی شادی ہوئی ۔ پس آپ اور میں ہم زلف نہیں تو اور کیا ہیں ؟

خان ۔ (ہنس کر) خوب ! سچ ہے بھائی !

خان خاناں نے برہمن کو کئی ہزار روپیہ اور خلعت عطا کیا ۔ اور گھوڑے پر طلائی ساز سجوا کر سوار کیا ۔ اور عزت کے ساتھ رخصت کر دیا ۔

مرزا عبدالرحیم، بیرم خاں خان خاناں کا فرزند تھا ۔ باپ کے بعد یہی خطاب بیٹے کو ملا ۔ جب شہنشاہ اکبر نے احمد آباد گجرات پر لشکر کشی کی ۔ تو مرزا عبدالرحیم کو ہراول لشکر کا سردار بنایا ۔ اُس وقت مرزا کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہیں تھی جب وہ خان خاناں بنا ۔ تو اِس نے اپنی زر پاشی سے ہندوستان بھر میں خاص شہرت حاصل کی ۔ ——— مگر ۔ (ع)

یہ قصہ ہے تب کا ! جب آتش جواں تھا ۔ جب ہندوستان سونے کی کان اور دولت سے مالا مال تھا ۔ مگر اب صورت بنیں حالم مپرس ! ——— والا معاملہ ہے ۔



# ۱۶۔ حق بحقدار

## (سکھوں نے مسلمان کو حکومت واپس دلائی)

(۱)

سردار آدینہ بیگ موضع بہٹیری (ضلع ہوشیارپور) کی چوپال میں بیٹھا ہوا۔ سودھی بڈبھاگ سنگھ۔ سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ علاقہ پہاڑی ہے۔

سودھی بڈبھاگ سنگھ۔ جالندھر کے ناظم نے ایک طوفان بپا کر رکھا ہے۔ زیادہ تر سکھ ہی تختۂ مشق ستم بن رہے ہیں۔ جب سے آپ اِدھر آئے ہیں۔ رعایا کو چین نصیب نہیں ہوا۔ افسوس!

آدینہ بیگ۔ یہ تمام فتنہ احمد شاہ دُرانی کی آمد نے اُٹھایا ہے۔ اگر وہ حملہ آور نہ ہوتا۔ تو مجھے جالندھر چھوڑ کر اِدھر آنا ہی نہ پڑتا۔ اور پھر ناصر خاں بھی جالندھر کا ناظم نہ بن سکتا!

سودھی۔ مگر اب تو احمد شاہ واپس چلا گیا ہے۔ پھر کیا ہم لوگ اِس جلا وطنی پر قناعت کریں؟

آدینہ بیگ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے! کوئی تدبیر کرنی چاہیئے اور جلد!

سودھی ۔ بے شک! یہ ضروری ہے (سوچ کر) اگر آپ ہمت کریں تو ناصر خاں سے حکومت واپس مل سکتی ہے۔

آدینہ بیگ ۔ کیونکر؟ یہ کیسے ممکن ہے۔

سودھی ۔ آپ جالندھر پر حملہ کریں!

آدینہ بیگ ۔ حملہ کیسے ہو! میرے پاس فوج کہاں! آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔

سودھی ۔ آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ فوجیں میں جمع کر دوں گا۔ تمام سکھ سردار اپنی اپنی فوجیں لے کر آپ کی مدد کو آجائیں گے۔ وہ ناصر خاں کی حکومت سے تنگ آچکے ہیں۔ اس لئے آپ کی مدد نہایت خوشی سے کریں گے۔ اس کی ذمہ داری میں اپنے اوپر لیتا ہوں۔

آدینہ بیگ ۔ پھر تو میں بھی تیار ہوں۔ اور اگر مجھے کامیابی ہوئی تو میں سکھ سرداروں کی امداد کا عملی شکریہ ادا کروں گا۔ مجھ سے جو خدمت ہو سکے گی میں کروں گا۔!

سودھی ۔ مرزا صاحب! ان چند دنوں میں میرے دل میں آپ کی ہمدردی اور محبت بہت ہی پیدا ہو گئی ہے۔

آدینہ بیگ ۔ میرے دل کا بھی یہی حال ہے۔ دل یہی چاہتا ہے کہ ہر وقت آپ ہی کے پاس بیٹھا ہوں آپ کی باتیں سنا کروں،

سودھی ۔ شکریہ۔ یہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اُمید ہے کہ ہماری اس محبت کا درخت میٹھا پھل لائیگا۔ اور آپ کو دوبارہ جالندھر کی حکومت حاصل ہو گی۔

آدینہ ۔ مجھے آپ کی ہمت سے اس کی قوی اُمید ہے۔

سوڈھی۔ ہم یقیناً کامیاب ہوں گے ۔ اور جلد

(۲)

جالندھر سے چار کوس دُور۔ ہنگامہ کارزار گرم ہے ۔ ایک طرف جالندھر کے نواب ناصر خاں کی فوج ہے ۔ اس میں زیادہ مسلمان اور کمتر ہندو اور سکھ ہیں دُوسری جانب سابق ناظم جالندھر مرزا آدینہ بیگ کا لشکر ہے۔ اس میں نوے (۹۰) فیصدی سکھ سردار اور سپاہی ہیں مسلمان اور ہندو بہت ہی کم ہیں مگر ہیں ضرور!

یہ تمام فوج سوڈھی بدھاگ سنگھ نے جمع کی ہے ۔ اس کے سردار سوڈھی کے تمام دوست ہیں ۔ یہ سب سکھ مرزا آدینہ بیگ کی امداد کے واسطے آئے ہیں ۔ تاکہ حکومت تلوار کے زور سے نواب ناصر خاں سے چھین کر مرزا آدینہ بیگ کے حوالے کریں ۔

جنگ صبح سے شروع ہو کر شام تک جاری رہی ۔ فریقین کے بہادر کٹ مرے ۔ آخر کار جب شام ہو گئی تو ایک سکھ سردار نے نواب ناصر خاں کو گرفتار کر لیا ۔ یہ رنگ دیکھ کر اُس کی باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی ۔ پس ناصر خاں نے شکست کھائی اور فتح مرزا آدینہ بیگ کی ہوئی ۔

ناظم جالندھر تہ تیغ ہوا ۔ اور اب جالندھر کی حکومت کے نواب مرزا آدینہ بیگ بنے ـــــ اور یہی احمد شاہ ابدالی کے حملے سے پہلے جالندھر کے حاکم تھے الغرض ۔ حق بحقدار رسید ۔

(۳)

نواب آدینہ بیگ ۔ جالندھر کے قلعہ کے اندر اپنے شاہی محل میں جلوہ افروز ہیں ۔ بارہ بج چکے ہیں اور سورج پوری تیزی سے چمک رہا ہے ۔

سوڈھی بڈھاگ سنگھ۔ جسّا سنگھ اہلو والیہ۔ وغیرہ بہت سے سکھ سردار موجود ہیں۔ اور فتح کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔

نواب۔ یہ سب کچھ آپ دوستوں کی ہمت اور مدد سے ہوا ہے۔ پس میں آپ کا یہ احسان عمر بھر نہیں بھولوں گا۔

سوڈھی۔ ظالم ناصر خاں کو تباہ کرنا ہمارا فرض تھا۔

نواب۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ حضرات کے اس احسان سے عمر بھر سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ یہ امر واقعہ ہے۔ آپ نے کسی لالچ کے بغیر مخلصانہ میری امداد کی ہے۔ نہیں نہیں میری گئی ہوئی حکومت میرے دشمن سے مجھے واپس دلائی۔ اور اُسے تباہ کیا ہے۔ پس میں آپ کی اس محبت اور مدد کی یادگار میں۔ کچھ نذرانہ آپ بزرگوں کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں براہِ کرم قبول فرمائیے دیکھئے اگر آپ نے انکار کیا تو مجھے سخت رنج ہو گا۔

یہ کہکر نواب نے بیس ہزار روپیہ کی اشرفیاں سکھ سرداروں کے سامنے رکھیں۔ پھر بولا لیجئے یہ رقم آپ کے کڑاہ[1] پرشاد کے واسطے ہے یہ بھی پانچ ہزار روپیہ تھا۔

سکھ سرداروں نے یہ رقم خوشی سے قبول کی۔

اس کے بعد نواب کو دوآبہ بست جالندھر کے زمینداروں سے جس قدر مال گزاری وصول ہوتی تھی وہ اُس میں سے ایک ثلث۔ سردار جسّا سنگھ اہلو والیہ کی معرفت تمام سکھ سرداروں (خصوصاً اپنے دوست سوڈھی بھیج دیتا تھا۔ اور یہ سلسلہ نواب کی زندگی بھر جاری رہا۔ سکھ بھی ہر موقع پر نواب کی امداد کرتے تھے۔

[1] حلوا

(۴)

اسکے بعد سکھ پنجاب بھر میں تاخت و تاراج کرتے رہے۔ اس زمانہ میں شاہ دہلی کا رعب گویا پنجاب سے بالکل اُٹھ چکا تھا۔ صدر مقامات میں شاہ دہلی یا مرہٹوں کے مقرر کردہ حاکم موجود تھے مگر عملاً حکومت سکھوں ہی کی تھی۔ مسلمانوں یا مرہٹوں کو مال گزاری وغیرہ بالکل وصول نہیں ہوتی تھی۔ ہر طرف بد امنی تھی۔

لیکن اس کے باوجود نواب جالندھر کے علاقے میں بالکل امن و امان اور چین چان رہا۔ کسی سکھ سردار نے اُدھر کا رُخ بالکل نہیں کیا۔ مگر کیوں؟ اِس لئے کہ ان کی نواب سے صُلح اور دوستی تھی۔ اور نواب اپنی آمدنی سے اُنہیں کافی حِصّہ دیتا تھا۔

(۵)

اِس جنگ۔ صلح۔ اور محبت میں مذہب کا دخل بالکل نہیں تھا۔ سکھوں نے نواب ناصر خاں کو اس واسطے تباہ نہیں کیا کہ وُہ مسلمان تھا اور یہ سکھ کیونکہ آدینہ بیگ بھی تو مسلمان ہی تھا۔ جسے سکھوں نے حکومت دی۔ اور مُدتوں اُس کے دست و بازو بنے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی بنا پر ہندوستان میں عموماً جنگ نہیں ہوئی۔ البتہ بعض خود غرض اور عیّار لوگوں نے کبھی کبھی مذہب کی آڑ ضرور لی ——— اور کشت و خون کرایا۔

# ۱۷۔ کمالِ انسانیت

## (مسلمانوں نے خطرے میں پڑ کر سکھوں کی جان بچائی)



قلعہ آنند پور کا شدید محاصرہ ہو رہا ہے

جب دہلی کی فوجیں گورو گوبند سنگھ جی سے متواتر تین بار شکست کھا چکیں۔ شاہ دہلی نے ۱۷۰۲ء میں پنجاب کے کل صوبیداروں اور افسروں کو سخت اور تاکیدی احکام بھیجے۔ کہ گورو گوبند سنگھ کی طاقت کا خاتمہ کیا جائے! اور اُن کو گرفتار کر کے یا اُن کا سر دربار دہلی میں بھیجو۔

انہیں احکام کے ماتحت، پنجاب کی تقریباً تمام افواج کا اجتماع ہوا ہے اور انند پور پر چاروں طرف سے حملے کئے جا رہے ہیں۔ پہاڑی راجاؤں کی فوجیں بھی گورو جی کے خلاف معرکہ آرا ہیں۔ نہایت نازک وقت ہے۔

جنگ کو کافی زمانہ گزر چکا ہے۔ سکھوں نے محاصرہ کا مقابلہ نہایت سختی سے کیا ہے۔ لیکن اب نوبت، یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ قلعہ کے اندر، باہر

سے سامان رسد، اسلحہ، یا اور قسم کی بھی امداد پہنچنا ناممکن ہو گئی ہے! اب بیچارے محصورین ہیں۔ ایک ایک مٹھی چنے چاب چاب کر زندہ رہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تاہم بہادر مایوس نہیں ہیں۔ ہاں بزدلوں کا ذکر فضول ہے۔

سنئے سنئے گورو جی کیا فرما رہے ہیں۔

گورو جی۔ بھائیو! گھبرانا فضول ہے۔ بس ایک ہفتہ اور گزار دو! پھر فتح کے مالک تم ہو۔

ایک سکھ۔ یہ مشکل ہے۔

دوسرا۔ ناممکن ہے۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔

تیسرا۔ اب ہم قلعے میں ٹھہر نہیں سکتے۔

گورو جی۔ (ناراض ہو کر) گویا کہا! نہیں ٹھہر سکتے! اچھا یہ بات ہے! تو تم لکھ دو کہ ہم گورو کے سکھ نہیں! تم ہمارے چیلے نہیں ہو!

ایک سکھ۔ ہاں! ہم یہ لکھنے کو تیار ہیں۔

کوئی چالیس سکھوں نے لکھدیا کہ ہم گورو کے سکھ نہیں اور وہ چلے گئے

گورو صاحب۔ افسوس ہے بے ہمتوں اور بزدلوں پر—— اچھا بھائیو! ضروری مال و اسباب باندھنا شروع کرو۔ تم لوگ تکلیف میں ہو مجھے یہ احساس ہے۔ ہم پرسوں تک قلعہ خالی کر کے دشمنوں کے حوالے کر دیں گے۔

گورو جی یہ حکم دینے کے بعد بھی سکھوں کو ترغیب دیتے رہے۔ کہ قلعہ نہ چھوڑا جائے تاہم سکھ باز نہیں آئے۔ ناچار گورو صاحب اور ان کے رفیق بہت کچھ ساز و سامان قلعے سے باہر نکال لائے۔ اور کیرت پور کے رخ روانہ ہوئے۔

(۲)

اس وقت گورو گوبند سنگھ ان کے عیال و اطفال اور چند فدا کار چمکور کی ایک چار دیواری میں پناہ گزیں ہیں۔

گوروجی کا مصیبت زدہ قافلہ قلعہ انند پور سے نکل کر کیرت پور پہنچا اور وہاں سے سرسہ ندی کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن دشمن بھی تعاقب کرتے ہوئے آپہنچے۔ اور حملہ آور ہوئے۔

اب سکھوں نے گوروجی کے بال بچے تو دریا سے پار کر کے آگے روانہ کر دیئے اور خود شاہی فوج سے مقابلہ کرتے ہوئے۔ چمکور جا پہنچے۔

شاہی فوج نے ان کو محصور کر لیا۔ رات گزرنے پر علی الصباح جنگ شروع ہو گئی۔ اور گوروجی کو غیر معمولی نقصان پہنچا۔

(۳)

گورو گوبند سنگھ۔ بھائی! تم میرے ہمشکل ہو۔ فی الحال یہیں ٹھہرو! دشمن تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ہم ماچھی واڑے کی طرف چلتے ہیں صبح کو تم بھی ادھر آجانا۔

سکھ۔ بہت خوب گوروجی مہاراج!

گوروجی۔ میں رات کے اندھیرے میں دشمن کی آنکھ میں خاک ڈال کر نکل جاؤں گا۔

یہ کہہ کر گوروجی چپکے سے باہر نکلے۔ چار سکھ ان کے ساتھ تھے۔ شاہ دہلی کی فوج قریب ہی زمین گھیر تھی۔

گوروجی چلے جا رہے تھے کہ کسی نے زور سے چلا کر کہا۔

"ارے لینا پکڑنا وہ سکھوں کے گورو بھاگ چلے۔ سکھوں کے پیر چلے"

گورُو جی (گھبرا کر) ہیں! یہ آواز تو سکھوں کی معلوم ہوتی ہے۔
سکھ نہی چلّا رہے تھے
گورُو جی یہ کہہ کر جلدی سے آگے بڑھے۔
شاہ دہلی کے لشکر نے بھی مندرجہ بالا آواز سُنی۔ اور سپاہی چونکنے ہو کر اِدھر اُدھر بھاگے۔

(۴)

گورُو جی ماچھی واڑے کے باغ میں کھڑے ہُوئے دو مُسلمانوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ اس علاقہ کے رئیس اور اس باغ کے مالک سردار نبی خاں و سردار غنی خاں افغان ہیں۔

نبی خاں۔ گورو جی ہم نے آپ کو پہچان لیا۔ آپ کو دیکھ کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی

غنی خاں۔ آپ کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ ساتھی بھی آپ ہی کے معلوم ہوتے ہیں۔

گورُو جی۔ جی ہاں! یہ میرے رفیق و فدا کار ہیں۔ اور ہیں فی الواقع پریشان ہوں

نبی خاں۔ ہم آپ کی شرافت کے مداح ہیں۔ آپ نے ہم سے کئی بار گھوڑے خریدے اور ہمیں آپ سے کافی فائدہ پہنچتا رہا ہے۔

غنی خاں۔ اب آپ لوگ کدھر سے آ رہے ہیں۔

گورُو۔ فی الحال میں بہلول پُور سے روانہ ہو کر اس قصبے میں پہنچا ہوں چمکور میں شاہی فوج نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ اُس نے بہت نقصان پہنچایا۔ اور بڑی مشکل سے اس کے نرغے سے نکل سکا۔ اب مُصیبت میں مُبتلا ہوں۔ دونوں بیٹے جنگ کی بھینٹ چڑھا چکا ہوں۔

نبی خاں۔ ہمیں آپ سے ہمدردی ہے۔ کیونکہ شرافت و انسانیت

کا تقاضا ہی ہے۔

غنی خاں۔ اُن کو عملی مدد دینی چاہیئے۔ صرف زبانی ہمدردی کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے۔

نبی خاں۔ تو ان کی حفاظت کی کوئی تدبیر تم ہی سوچو۔

گورو جی۔ آپ لوگ درحقیقت بڑے ہی شریف اور بے تعصب آدمی ہیں

غنی خاں۔ آپ غریب خانہ پر تشریف لے چلیں۔ ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔

گورو۔ لیکن۔

نبی خاں۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ہم بے تعصب انسان ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ آپ مظلوم ہیں۔ اس واسطے ہم آپ کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں شاہ دہلی ہمارا ہم مذہب ہے تو ہوا کرے۔ ہم تو مظلوم کے حامی اور مددگار ہیں

گورو جی۔ شاباش! بہادرو شاباش! بے تعصبی ہو تو ایسی ہو۔

(۵)

ایک پلنگ کے اوپر ایک نورانی شکل والے بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ پلنگ کے پائے چار پانچ آدمیوں نے پکڑ رکھے ہیں۔ اور پندرہ بیس آدمی اُن کے پیچھے پیچھے پیدل جا رہے ہیں۔ یہ کوئی پیر معلوم ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں پیروں کی قدر اسی طرح کی جاتی ہے۔ یہ مختصر قافلہ موضع محبت پور کی طرف سے آرہا ہے۔ غنی خاں بھی اس جمعیت کے ہمراہ ہے۔

اسی اثنا میں ایک شاہی جاسوس آجاتا ہے۔ اور غنی خاں سے پوچھتا ہے کہ یہ کون صاحب ہیں۔

غنی خاں (جلدی سے) یہ ہمارے مرشد اور اُوچ شریف کے پیر ہیں

جاسوس۔ اور کدھر جا رہے ہیں۔

غنی خاں۔ فی الحال جٹ پورہ میں قیام فرمائیں گے۔

(٦)

نبی خاں اور غنی خاں افغان نے گورو گوبند سنگھ جی کو سُرمئی (سیاہ) پوشاک پہنا کر مشہور کر دیا کہ ہمارے پیر آئے ہیں۔ اِن کے رفیق سکھوں کو بھی اسلامی لباس پہنا دیا۔ جس سے اُنہیں عوام مُسلمان ہی سمجھنے لگے۔ اِس سلسلے میں قاضی میر محمد خاں نے بھی گورو جی کو قیمتی مدد دی۔ وُہ گورو جی کے اُستاد تھے چنانچہ گورو جی نے فارسی قاضی صاحب ہی سے پڑھی تھی۔

گاہا مسند بھی شریک راز اور گورو جی معاون و مددگار تھا گو وُہ مذہباً مسلمان تھا مگر بے کسوں اور مظلوموں کا حامی و مددگار تھا

یہ لوگ گورو جی کو پیروں کی طرح چارپائی پہ بیٹھا کر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں لے جاتے تھے تاکہ شاہی جاسوسوں کو مغالطہ دیا جا سکے۔ اور افشائے راز نہ ہونے پائے۔ گورو جی ایسے ہی حالات میں رالوہ (پٹیالہ) تک جا پہنچے۔

(٧)

گورو گوبند صاحب قصبہ رائے کوٹ (ضلع لدھیانہ) میں یہاں کے مسلم رئیس رائے کلہ کے مہمان ہیں۔ اور وہ ایک ہفتہ سے ان کی خوب ہی خاطر مدارات کر رہا ہے۔

گورو جی۔ ہائے ظالموں نے لختِ جگر شہید کر دیئے۔ ایسے بیرحموں کی جڑ بنیاد اُکھڑ جاوے۔

رائے کلہ۔ مہاراج! گستاخی معاف! کیا یہ آپ سب مُسلمانوں کے حق میں فرما رہے ہیں۔ یہ تو تقاضائے انصاف نہیں۔ میں آپ کا وفادار خادم ہوں یعنی

تفصیر دار نہیں ۔

گورُوجی ۔ بے شک! تم بے گناہ ہو!

رائے کلہ ۔ نبی خاں اور غنی خاں اور دیگر مُسلمانوں نے بھی آپ کی امداد کی۔

گورُوجی ۔ بے شک! میں اُن بہادروں کا احسان عمر بھر نہیں بھولونگا۔

رائے کلہ ۔ نواب شیر محمد خاں اور دیگر مُسلمانوں نے بھی آپ کے صاحبزادوں کی جان بچانے کی کوشش کی۔

گورُوجی ۔ یہ بھی صحیح ہے ۔ درحقیقت بہت سے مُسلمان ۔ بڑے ہی رحمدل اور بے تعصب ہیں ۔ اور میں اُن کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں۔

گورُوجی کی روانگی کے وقت رائے کلہ نے ایک نہایت عمدہ گھوڑا اور ایک قیمتی تلوار نذر کی۔

(۸)

گورُوجی رائے کوٹ سے موضع دینا پہنچے ۔ اور چوہدری لکھمیر کے مہمان بنے انہوں نے بڑی آؤ بھگت کی ۔ اور تمام علاقے کے آدمی نذر و نیاز لے کر حاضر ہوئے۔

دھرم چند اور کرم چند نے گورُوجی کو قابل قدر امداد دی ۔ چنانچہ زر نقد کے علاوہ ایک عمدہ گھوڑا بھی نذر کیا ۔ نیز قیمتی خلعت عطا کیا ۔ اور کچھ اسلحہ بھی دئیے ۔ جو اِن کے ہاں گورُو گوبند سنگھ جی کے زمانے کے محفوظ تھے۔

بھگتو ۔ بھولو ۔ اور پھول وغیرہ نے اپنی اپنی حیثیتوں کے مطابق گورُوجی کی خدمت و امداد کی۔

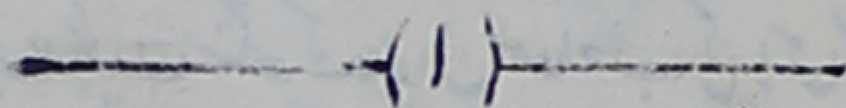
اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورُوجی کے پاس کافی ساز و سامان اور جمعیت فراہم

ہو گئی۔ یعنی اب اُن میں حریف سے مُقابلہ کرنے کی کافی طاقت موجود تھی۔
لیکن اِس کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑی چنانچہ گورو جی کی شاہان دہلی سے
صُلح ہو گئی۔ اور اُنہیں امن عام دیدیا گیا۔



# ۱۸۔ ناظمِ مُلتان

## ہندو نے سِکھ کی خدمت کی



مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مُلتان کا گورنر دیوان ساون مل کو مقرر کیا ہے
اور وُہ مُدت سے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مُلتان میں حکومت کر رہے ہیں
کوئی چار بجے ہوں گے دیوان صاحب قلعے میں بیٹھے ہوئے۔ ایک تحریر پڑھ
رہے ہیں۔ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا فرمان ہے۔ جو آج ہی قاصد لایا ہے۔ اُس
کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"جاسوسوں نے اطلاع بھیجی ہے کہ رجباپال میں لوگ فساد کی کوشش کر
رہے ہیں۔ سرغنہ بہرام خاں مُراد ہے اور میر رُستم خاں سندھی نے زرنقد

سے امداد کی ہے۔ فوج جمع ہو رہی ہے۔ اور وہ لوگ ملتان پر یورش کرنیوالے ہیں۔ عام مسلمانوں کو جہاد کے نام پر مغالطہ دیا گیا ہے۔ افسوس تم نے پہلے سے نظر نہ رکھی۔ اگر ایسا کرتے تو یہاں تک نوبت نہیں پہنچتی اور اس کے پاس اس قدر فوج جمع نہ ہو سکتی۔ چونکہ تم نے غفلت کی ہے۔ لہذا ادھر سے امدادی فوج نہیں بھیجی جائیگی۔ اور اب ان کی مدافعت کا انتظام صرف تمہیں ہی کرنا پڑے گا" تاکید اکید جانو۔

دیوان ساون مل۔ مہاراج ناراض ہو گئے ہیں۔ خیر ہم ان کو خوش کر لیں گے۔

(۲)

دیوان ساون مل نے آگے بڑھ کر حریف کو جا گھیرا۔ ان کی فوج اور توپ خانے نے مخالف لشکر کے اوسان خطا کر دیئے۔ بہت سے بہادر مارے گئے۔ اور باقی فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ الغرض دیوان فاتح بن کر واپس ہوئے۔

(۳)

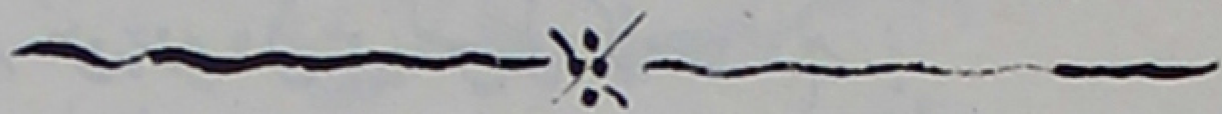
جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دیوان صاحب کی اس کارگزاری کی اطلاع پہنچی تو بہت مسرور ہوئے۔ خوشنودی مزاج کا پروانہ بھیجا۔ اور دیوان صاحب کو خلعت فاخرہ بطور تحسین و آفرین عطا کیا۔

دیوان ساون مل اکال گڑھ (ضلع گوجرانوالہ) کے کھتری تھے۔ نہایت قابل دور اندیش اور بہادر آدمی تھے مہاراج کے دربار میں اعلٰے خدمات انجام دیں جن سے خوش ہو کر مہاراجہ نے انھیں ملتان کی نظامت عطا کی۔

دیوان ساون مل نے ملتان میں نہایت عدل و انصاف اور رعب دواب سے حکومت کی۔ ان سے تمام رعایا ہمیشہ خوش رہی۔ لوگوں نے ان

انصاف کا گیت بنا بنا کر گائے۔ علاقہ میں ہمیشہ امن و امان رہا۔ صرف یہی ایک شورش ہوئی جس کا ذکر ہوا۔ مگر وہ دیوان صاحب نے فوراً رفع کر کے امن و امان قائم کر دیا۔

ملتان کے علاقے میں چوریاں کم ہوتیں اور ڈاکے تو بہت ہی کم پڑتے تھے۔ جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ دیوان صاحب چور کو موت سے کم سزا نہیں دیتے تھے۔



# ۱۹ سچے موتی

## (ہندو نے مسلمان کو کیا تحفہ دیا؟)

سیلون کا راجہ ایپری چکرورتی۔ لنکا کے قلعہ میں بیٹھا ہے اس کی عمر تیس سال کے قریب ہے۔ اس کے درباری بھی حاضر ہیں۔ یہ سب کے سب ہندو ہیں۔

یہاں ایک اجنبی آدمی بھی موجود ہے۔ اس کا لباس نیچا اور ڈھیلا

ڈھالا ہے۔ اِس کا نام ابن بطوطہ ہے۔ یہ افریقہ سے آیا ہے۔

راجہ کے سامنے بڑے بڑے اور نہایت چمکیلے سچے موتیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ پرکھنے والے جوہری قریب بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور وہ عمدہ عمدہ موتی اُٹھا کر علیحدہ رکھتے جاتے ہیں۔ یہ موتی اِسی علاقے کے سمندر سے لائے گئے ہیں

راجہ۔ (ابن بطوطہ سے) "تم نے بھی کبھی موتی نکلتے دیکھے ہیں"

ابن بطوطہ۔ جی! جزیرہ قیس اور جزیرہ کش میں موتی میری نظر سے گزرے ہیں

راجہ۔ اُن جزیروں میں کس کی حکومت ہے۔

ابن بطوطہ۔ وہاں کا بادشاہ ابن السوا خلی ہے۔

راجہ۔ ہم نے بھی سُنا ہے کہ اُن جزائر میں موتی نکلتے ہیں۔

اب راجہ چند موتی اُٹھا کر اور اُنہیں ابن بطوطہ کو دکھا کر بولا ــــ کیا وہاں اِس قدر بڑے بڑے موتی بھی نکلتے ہیں؟

ابن بطوطہ۔ نہیں جناب وہاں اتنے بڑے تو نہیں ہوتے۔ بلکہ چھوٹے ہوتے ہیں۔

راجہ۔ تم سچے آدمی ہو۔ اچھا اب یہ موتی تم ہی لے لو۔

ابن بطوطہ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں سیر و سیاحت کرتا ہوا ہندوستان پہنچا تھا۔ اُس وقت تخت دہلی پر خلجی خاندان حکومت کر رہا تھا۔ ابن بطوطہ کی شادی سُلطان جلال الدین کی بیٹی سے ہوئی تھی اِس سُلطان کی دُختر سے سلطان غیاث الدین کا نکاح ہوا تھا۔

ابن بطوطہ کا سفرنامہ چھپا ہوا بازار میں مِلتا ہے۔ جو نہایت دلچسپ ہے۔ مُسلم سیاح نے سیلون کے ہندو راجہ کے سچے موتی عطا کرنے اور اُس کی مہربانی کے حالات اسی کتاب میں لکھے ہیں۔

# ۲۰۔ حکمتِ عملی!

## (مُسلمان نے جان پر کھیل کر ہند کی مدد کی)

رات کا وقت ہے۔ اور پورانی دہلی کے ایک محل میں چند راجپوت بیٹھے ہُوئے باتیں کر رہے ہیں۔ مرحوم راجہ جسونت سنگھ کی دو رانیاں بھی موجود ہیں۔ یہ سب لوگ اٹک کی طرف سے آئے ہیں۔ اور راجپوتانہ جانا چاہتے ہیں

راجپُوت۔ شہنشاہِ عالمگیر کی منشا یہ معلوم ہوتی ہے کہ رانیاں دہلی ہی میں قیام کریں۔ اور راجہ جسونت سنگھ کے بچوں کی تربیت دہلی ہی میں شہنشاہ کے زیرِ سایہ ہو۔

دُوسرا۔ یہ مُناسب نہیں ہے۔

تیسرا۔ شاید اس کے اندر کوئی چال ہو۔

رانی۔ ہمیں بھی دہلی رہنا منظور نہیں۔ ہم اپنے وطن جودھ پُور ہی جانا چاہتی ہیں۔ ہمارے دونوں بچے بھی وہیں تعلیم پائیں گے۔ اور اپنے باپ دادا کا فن سیکھیں گے۔

دُوسری رانی۔ بے شک یہی مُناسب ہے۔ دہلی رہ کر کیا کریں گے۔

اِس میں کوئی فائدہ نہیں۔

راجپوت۔ یہ بات ضروری ہے! لیکن بادشاہ مزاحم ہوگا۔ ہم لوگوں کی نگرانی کی جا رہی ہے۔

دُوسرا۔ (جوش میں آکر) ہم راجپوت ہیں۔ ہماری تلواریں۔ یہ گُتھی کاٹ دیں گی۔ اور شہنشاہ دیکھتا کا دیکھتا رہ جائیگا۔

پہلا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کوئی تدبیر سوچ لی ہے۔

دُوسرا۔ بے شک! اور ایک شریف مُسلمان نے بھی مدد کا وعدہ کیا ہے۔

پہلا۔ اچھا! ——— مگر دیکھنا، اِس میں دھوکا نہ ہو۔ ہم سے دغا نہ کی جائے! فریب نہ ہو!

دُوسرا۔ نہیں! وہ ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ پانچوں اُنگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ مُسلمانوں میں بھی بڑے فرشتہ سیرت رحم دِل اور بے تعصب آدمی موجود ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہر قوم میں اچھے بُرے دونوں ہی قِسم کے انسان ہوتے ہیں۔

پہلا۔ یہ دُرست ہے کیا ہم ہند وؤں میں بھی بعض آدمی قابلِ نفرت نہیں۔

دُوسرا۔ دیکھئے! انجام کیا ہوتا ہے

—————(۲)—————

شہنشاہ اورنگ زیب نے جودھپور کے راجہ جسونت سنگھ کو مغربی سرحد یعنی اٹک وغیرہ علاقے کا گورنر بنایا۔ اور راجہ باغی افغانوں کی سرکوبی کرکے انہیں عالمگیر کی اطاعت پر مجبور کرتا رہا۔ مگر راجہ نے ۱۶۷۸ء میں وہیں

وفات پائی۔ جس کا بادشاہ کو بڑا رنج ہُوا۔
جسونت سنگھ کا بیٹا پرتھوی سنگھ دہلی میں بیمار ہو کر اس سے پہلے ہی مرچکا تھا۔ اُس کے دو لڑکے اس کے ہمراہ تھے۔ وہ آب و ہوا کی ناموافقت کے سبب راجہ کی زندگی ہی میں داغ مفارقت دے گئے اور اس طرح راجہ کے تین فرزند! گویا مسلمان بادشاہ کے مقاصد پر قربان ہو گئے۔
جب جسونت سنگھ کا خاندان اٹک سے چل کر راجپوتانہ کی طرف جا رہا تھا تو راجہ کی دو رانیوں کے ہاں بمقام لاہور دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اور ان میں سے ایک لڑکے کا نام اجیت سنگھ رکھا گیا۔
حمل ہی کی وجہ سے رانیوں کو راجہ کے ساتھ ستی ہونے سے روک لیا گیا تھا اب بادشاہ چاہتا تھا کہ راجہ جسونت سنگھ کا خاندان اور دونوں بچے دہلی ہی میں رہیں۔ لیکن دونوں رانیاں یہاں رہنا پسند نہ کرتی تھیں اور نہ اپنے بچوں ہی کو دہلی میں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ اور چونکہ راجپوتوں کا خیال تھا کہ بادشاہ سدِّراہ ہو گا۔ لہٰذا وہ رانیوں اور بچوں کو دہلی سے خفیہ طور پر نکال لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

(۳)

چتر سنگھ۔ کیوں بھائی تیار ہو! کیا ہم لوگ آپ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔
اسلم خاں۔ اپنی عزت اور کلام پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کی یہ خدمت انجام دُوں گا۔ اور دغا فریب ہرگز نہیں کروں گا۔ اور اگر شہنشاہ کے آدمی بھی آ گئے تو وہ پہلے میری جان لیں گے۔ اور اس کے بعد بچے۔
چتر سنگھ۔ (خوش ہو کر) بس اب ہمیں یقین آ گیا۔ معاف کرنا!

معاملہ ہی کچھ ایسا نازک ہے

اِس کے بعد نوزائیدہ بچے کو ملائم کپڑے میں لپیٹا پھر ایک ٹوکرے کے اندر رُوئی کی گدی جمائی اُس پر بچے کو لٹا دیا اور ایک سُرخ کپڑا اوڑھا دیا۔ اور اُس کے اُوپر چند ہلکے پھُلکے پھل اور پھُول پتے وغیرہ ڈال دیئے اور اب یہ ٹوکرا اسلم کے حوالے کر دیا گیا۔

اسلم! میں شہر سے نکل کر پھاٹک کے قریب ٹھہرونگا۔ اور جب تک آپ کا آدمی نہیں پہنچے گا میں وہیں ٹھہرا رہوں گا۔

چتر سنگھ۔ بہتر! اتنی مدد بھی بہت قیمتی ہے۔ ہمارا آدمی آپ کو پھاٹک پر ملے گا۔ آپ بچہ اُس کی سپُرد کر دینا۔ پھر اُسے راجپوتانے پہنچانا ہمارا کام ہے

اسلم۔ بہت خُوب۔

اسلم بچے کو یعنی اجیت سنگھ کو لے کر چلا گیا۔

(۴)

اسلم اور راجپوت بھی شہر سے باہر نکلے تو پولیس نے تاڑ لیا۔ اور اُن کا رستہ روکا۔ مگر راجپوتوں نے تلواریں غلاف سے نکال لیں۔ اور وُہ لوگ لڑتے بھڑتے مقررہ دروازہ پر پہنچ گئے۔

اسلم میوہ فروش کے بھیس میں وہاں موجُود تھا۔ اور اب راج کنوار اجیت سنگھ کو اُس سے لے لیا گیا۔ اور تمام راجپوُتوں نے اسلم کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اُنہوں نے خوش ہو کر کئی جواہرات اُسے بطور انعام دیئے۔

(۵)

راجپوُت۔ دونوں رانیاں اور دونوں بچے صحیح وسلامت مارواڑ

(جودھ پور) پہنچ گئے۔ اور اودے پور کے راجہ راج سنگھ نے دونوں رانیوں اور بچوں کی پرورش کا بار اپنے ذمے لیا۔ اور یہی شہزادہ اجیت سنگھ بہادر شاہ کے زمانے میں ریاست جودھ پور کا راجہ بنا۔



# ۲۱- امداد

## (سکھوں نے مسلمان کی امداد کی)

(۱)

دلی کے لال قلعے کے اندر دیوانِ خاص میں شاہ ہندوستان بہادر شاہ اوّل بیٹھے ہوئے۔ دو امیروں سے گفتگو کر رہے ہیں۔ ان میں ایک بھائی نند لال ہیں۔ اور دوسرے دیوان حاکم رائے۔

بہادر شاہ۔ حالات نازک سے نازک تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اعظم شاہ کی نالائقی ہی کچھ کم نہیں تھی کہ ایک جانب سے سرکش ہو گیا۔ اور اورنگ آباد (دکن) میں بادشاہ بن بیٹھا۔

بھائی نند لال۔ ظالم نے اپنے چھوٹے بھائی کام بخش کو صوبہ بہار سے

بُلا یا۔ اور فریب سے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اُف رے سنگدلی!

بہادر شاہ اور اب اِدھر لاؤ لشکر لے کر آ رہا ہے۔ تاکہ ہمیں قتل کر کے ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھے۔

دیوان حاکم رائے۔ ہم جاں نثاروں کے ہوتے اُس کی کیا مجال ہے کہ حضور کے دشمنوں کو ترچھی نگاہ سے بھی دیکھ سکے۔

بہادر شاہ۔ مجھے اپنے وفادار جاں نثاروں سے ایسی ہی اُمید ہے تاہم تدابیر عمل میں لانی چاہئیں۔

بھائی نندلال۔ ست بچن مہاراج!

بہادر شاہ۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس وقت گورو گوبند سنگھ جی سے مدد طلب کی جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ وُہ ضرور امداد کے واسطے آئیں گے۔

دیوان۔ حاکم سنگھ وہ یقیناً آئیں گے۔ اور اپنی فوجیں بھی لائینگے

بہادر شاہ۔ اور بھائی صاحب آپ کی کیا رائے ہے۔

بھائی نندلال۔ مجھے بھی یقین ہے کہ گورو جی ضرور تشریف لائینگے اور جہاں پناہ کو جنگ میں مدد دیں گے

بادشاہ تو آپ ہی مابدولت کا خریطہ گورو جی کے پاس لیجائیے اور اُن کی خدمت میں پیش کریئے۔ مناسب ہو کہ آپ آج ہی روانہ ہوجائیں۔

بھائی نندلال۔ بجا ارشاد ہُوا۔ خادم آج ہی روانہ ہوجائیگا۔

بہادر شاہ۔ تو دیوان صاحب! خریطہ تیار کر کے اِن کے حوالے کر دیجئے۔

دیوان حاکم رائے۔ بہت مبارک جہاں پناہ۔
دیوان حاکم رائے خط لکھتے ہیں۔

(۲)

شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں سلطنت مغلیہ کمال عروج پر پہنچی۔ مگر اسباب زوال بھی اُسی زمانے میں پیدا ہو گئے تھے۔
اُس کے چہیتے بیٹے شہزادۂ اکبر نے علم بغاوت بلند کیا۔ تو راجپوت شہزادے کے مددگار بنے اکبر اپنے باپ اورنگ زیب کو تخت سے علیٰحدہ کر کے خود شاہِ ہند بننا چاہتا تھا۔ لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ اِس لئے ایران بھاگ گیا۔ اور وہیں انتقال ہوا۔
شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنے بیٹے شہزادہ معظم کو اپنا ولی عہد اور جانشیں مقرر کیا۔ لیکن اُس کی کسی حرکت سے ناراض ہو کر (یا کسی کے کہنے سننے سے بدظن ہو کر) اُسے قید کر دیا۔ چنانچہ معظم شاہ ۱۶۸۷ء سے ۱۶۹۴ء تک نظر بند رہا۔
عالمگیر کی آنکھیں بند ہوتے ہی اُس کے فرزندوں میں تخت کے واسطے جھگڑا بلکہ جنگ شروع ہو گئی۔ اورنگ زیب سے ناراض۔ راجپوتوں۔ مرہٹوں اور سکھوں نے بھی زور دکھانا شروع کیا۔ علاوہ ازیں مسلم جرنیل خود مختار اور باغی بن بیٹھے۔ الغرض عظیم الشان سلطنت کو گھن کا کیڑا لگ گیا۔
شاہ مرحوم کا دوسرا فرزند محمد معظم تخت پر بیٹھا۔ اور بہادر شاہ اپنا خطاب رکھا۔ اس لئے اُس کا ذکر تاریخ میں بہادر شاہ اوّل کے نام سے آیا ہے۔
اورنگ زیب کی وفات دکن میں ہوئی۔ شہزادہ اعظم شاہ اُس کے ساتھ تھا پس اُس نے اورنگ آباد میں اپنی "تخت نشینی" کی رسم ادا کی۔ اور بادشاہ بن بیٹھا

چھوٹے بھائی کام بخش کو بہار سے طلب کر کے اُس کام تمام کیا۔ اور اِس کے بعد فوجیں لے کر دہلی کی طرف دَوڑا۔ تاکہ مُعظم شاہ سے حکومت چھین کر خود بادشاہ بنے۔

(۳)

بہادر شاہ۔ گورو صاحب کا جواب کیا آیا؟

دیوان حاکم رائے۔ اُن کا جواب معقول اور حوصلہ افزا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ جہاں پناہ بے فکر رہیں۔ میں جنگ میں ضرور شریک ہونگا۔ اور میری تلوار آپ کی خدمت کریگی!

بادشاہ۔ شاباش! بہادر شاباش۔

دیوان۔ گورو جی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُنہوں نے مالوے کے تمام سکھوں کو لکھ بھیجا ہے۔ کہ فوراً آکر بادشاہ کے شریک جنگ ہوں!

بادشاہ۔ آثار اچھے ہیں۔ یقیناً کامیابی ہمیں ہی حاصل ہوگی۔

دیوان۔ ہماری فتح یقینی ہے۔ باغی شہزادہ اپنی حماقت کی سزا پائے گا۔ دُشمنوں کے بھڑے میں آنیکا انجام خوفناک ہوا کرتا ہے۔

بادشاہ۔ بے شک!

(۴)

آگرے سے دو میل کے فاصلے پر میدان جنگ گرم ہوا۔ شہزادہ اعظم دکن سے فوجیں لے کر آ پہنچا۔ اور جمنا کے پرلے کنارے پر خیمہ زن ہوا۔ اُس کی فوج میں مُسلمانوں کے علاوہ ہندو راجپوت افسر اور سپاہی بھی ہیں۔

جمنا کے ورلے کنارے پر بہادر شاہ کی فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔ یہاں بھی مُسلمان افسروں اور سپاہیوں کے علاوہ ہندو راجپوت اور سکھ فوجیں

نظر آ رہی ہیں۔

گورو گوبند سنگھ جی حسب وعدہ اپنے تین ہزار بہادر سکھ لے کر آ پہنچے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر بادشاہ کا دل بہت بڑھ گیا ہے۔ اور بھی کئی راجپوت راجہ اور سردار بادشاہ کی مدد کے واسطے آئے ہیں۔

مسلمان جب سے ہندوستان میں آئے یہی ہوتا رہا۔ ہندو مسلمان بادشاہوں کی فوجوں میں ملازم ہوتے تھے۔ اور اکثر اپنے ہم مذہب راجاؤں سے جنگ کرتے تھے۔ یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوگی۔ مگر ہے سچ۔ اور تاریخوں میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں بھی ہندو سپاہی موجود تھے۔ سلطان کا خزانچی بھی ہندو تھا۔

اسی طرح ہندو راجاؤں کی فوج میں مسلمان سپاہی نوکری کرتے تھے اور وقت پڑنے پر مسلمان بادشاہوں سے جنگ کرتے تھے۔

آج بھی ہندو ریاستوں میں مسلمان موجود ہیں۔ اور مسلمان ریاستوں میں ہندو ملازم۔ فوجوں میں بھی دونوں تینوں قومیں بھرتی ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان فوجوں کو جنگ کرنی نہیں پڑتی۔

بات یہ ہے کہ جنگ مذہب یا دھرم کے واسطے نہیں ہوتی تھی بلکہ بادشاہت اور ملک حاصل کرنے کے واسطے ہوتی تھی۔ ہندو مسلمان سے ہندو ہونے کی حیثیت سے نہیں لڑتا تھا۔ بلکہ سپاہی یا راجہ کی حیثیت سے۔ اسی طرح مسلمان سپاہی یا بادشاہ کی حیثیت سے ملک فتح کرنے کے واسطے ہندو سے جنگ کرتا تھا۔ اور اکثر مسلمان سے بھی معرکہ آرا ہو جاتا تھا۔

شہزادہ اعظم اور بہادر شاہ (یعنی دونوں بھائیوں) میں زبردست جنگ ہوئی۔ اور دونوں طرف سے (مسلمان اور ہندو) بہادر دلاور نے بہادری

کی شان دکھائی (سکھ بہادر شاہ کی طرف سے لڑے) کشتوں کے پشتے لگ گئے اور خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔

جب شام ہوگئی تو لڑائی میں اور تیزی آگئی۔ سکھ سپاہیوں نے غنیم کو گھیر لیا۔ آخر کار گورو گوبند سنگھ جی کا تیر اعظم شاہ کے دل میں پیوست ہوگیا۔ اور وہ اسی وقت مر گیا۔ اور اس طرح بہادر شاہ کو فتح حاصل ہوئی۔

(۵)

ہندوستان کا بادشاہ۔ بہادر شاہ معہ ارکان دولت دیوان خاص دہلی میں جلوہ افروز ہے۔ اور خاص و عام فتح کی مبارک باد دے رہے ہیں۔ اور نذریں پیش کر رہے ہیں۔

بادشاہ نے ایک امیر کو حکم دیا کہ گورو گوبند سنگھ جی کو ہاتھی پر سوار کر کے نہایت عزت کے ساتھ لاؤ۔ امیر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد گورو صاحب کو اپنے ہمراہ لے آیا۔

بہادر شاہ نے ان کو نہایت عزت کے ساتھ اپنی برابر بٹھایا۔ اور بولے۔ گورو جی! ہم آپ کے احسان سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ یہ فتح آپ ہی کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔

گورو جی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ یہ سب بادشاہی اقبال کا کرشمہ ہے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ ایسے نازک وقت میں وفاداری اور امداد کرنا میرا دھرم تھا۔

بہادر شاہ۔ فرض کو سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے کاش نافہم بھائی اپنا فرض سمجھتا! اگر ایسا ہوتا تو جنگ کی نوبت ہی نہیں آتی اور اسے بھی یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

حاضرین۔ بے شک! بیشک اُس نے اپنے کئے کی سزا پائی۔

بادشاہ۔ گورُوجی۔ آپ کا احسان بُہت بڑا ہے۔ ہم اُس کا معاوضہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ تاہم آپ کے احسان کی یادگار میں۔ کچھ نہ کچھ آپ کی نذر ہونا چاہیئے۔

یہ کہہ کر بادشاہ نے۔ نہایت قیمتی تھے تحائف، بیش قیمت خلعت، اور کئی لاکھ زر نقد گورُوجی کی نذر کیا۔ اور اُن کی فوج کے سرداروں اور سپاہیوں کو انعام واکرام علیحدہ دیا۔

گورُوجی کئی روز تک شاہی مہمان کی حیثیت سے قلعے میں مہمان رہے۔ اور اِسکے بعد بادشاہ نے اُنہیں نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ چنانچہ وُہ معہ اپنی فوج کے وطن کو روانہ ہُوئے۔

(۲)

گورُوگوبند سنگھ، سِکھ فرقہ کے دسویں گورُو ہُوئے۔ پہلے گورو بابا نانک جی تھے۔ جو شہنشاہ بابر کے زمانے میں ہُوئے۔ اِن کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہندؤں اور مسلمانوں کے فضول تعصب دور کر کے اُنہیں صُلح کل رہنے کی تعلیم دیں۔ حتیٰ کہ وُہ مِل جُل کر شیر و شکر ہو جائیں۔ اکثر مورخین کی تحقیقات یہی ہے۔

گورُوگوبند سنگھ جی شہر پٹنے میں پیدا ہُوئے۔ ابتداءً اپنے والد کے ساتھ سیر و سیاحت کرتے رہے۔ پھر انند پُور (ضلع ہوشیار پُور) میں قیام پزیر ہُوئے اور یہ دیکھ کر پنجاب کے مختلف حِصّوں کے سِکھ بھی انند پُور آگئے۔

گورُوجی کی جماعت دیکھ کر پہاڑی راجہ اُن سے کانپنے لگے۔ چنانچہ بلاسن پُور کے راجہ بھیم چند اور ایک دُوسرے راجہ کرپال سنگھ نے گورُوجی پر حملہ کر دیا۔ مگر مُنہ کی کھائی اور دُوسرے پہاڑی راجاؤں نے بھی خفت اُٹھائی۔

چند روز بعد سرہند کے صوبیدار الف خاں نے پہاڑی راجاؤں پر حملہ کر دیا۔ اب انہوں نے اپنے میں تاب مقابلہ نہ دیکھ کر گورو جی کو مدد کیواسطے بُلایا۔ حالانکہ پہلے انہوں نے خود گورو جی پر چڑھائی کر دی تھی۔ مگر گورو جی اس کے باوجود اُن کی مدد کے واسطے گئے۔ اور الف خاں کو شکست دی لیکن پہاڑی راجہ احسان فراموش ثابت ہوئے۔ چنانچہ کچھ مدت بعد پھر گورو جی کے مخالف بن گئے۔ لیکن گورو جی کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تو کھسیانے ہو کر شاہ دہلی کو ان کی شکایت لکھ بھیجی۔ اُن دنوں شاہ اورنگ زیب بادشاہ تھا۔

اب نجابت خاں سپہ سالار شاہ دہلی کی طرف سے گورو جی اور سکھوں کے مقابلے کے واسطے پنجاب آیا۔ وحید خاں اور امیر خاں وس ہزاری بھی اُس کے ساتھ تھے۔ پہاڑی راجہ بھی شاہ دہلی کی فوج کے مددگار بن گئے۔ اور انند پور کا محاصرہ کر لیا گیا۔

طویل جنگ ہوئی۔ شاہی فوج کی مدد کے واسطے اور لشکر آ گیا۔ دس اور ایک کا مقابلہ تھا۔ مدد آنے سے ایک اور سو کا مقابلہ ہو گیا۔ آخر کار گورو صاحب چمکور میں دشمنوں کے اندر گھر گئے۔ اور انہیں قلعہ بند ہو جانا پڑا۔ ایسے ہی نازک موقع پر گورو جی نے اپنے دونوں لخت جگروں اجیت سنگھ اور جھجار سنگھ کے ہتھیار باندھ کر انہیں میدان میں بھیجا۔ اور نصیحت کی کہ بیٹو! چہروں پر زخم کھانا مگر پیٹھ نہ دکھانا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ لیکن میدان سے ہٹنے کا نام نہ لینا۔

صاحبزادوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور میدان جنگ میں بہادرانہ شہید ہوئے۔ یہ واقعہ، حادثہ کربلا سے کس قدر مشابہ ہے!

اب گورو جی اور اُن کے سکھ چمکور سے مکتسر کی طرف روانہ ہوئے لیکن

اِس مُصیبت کے وقت ایک شریف پٹھان حاکم نے پناہ دے کر اُن کی جان بچائی۔

پہاڑی راجاؤں نے گورُو جی کی شکایت شاہ دہلی سے کی تھی۔ اِسی بنا پر اُن پر چڑھائی ہُوئی تھی۔ لیکن یہ غلط فہمی جلد رفع ہو گئی۔ چنانچہ شاہ اورنگزیب نے تمام ماتحت صُوبوں کے نام احکام جاری کر دیئے۔ کہ گورُو جی سے کوئی کچھ نہ کہے۔ اور ہر جگہ وعظ کہنے کی اجازت اُن کو دیدی۔

اورنگزیب کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے بہادر شاہ نے نازک وقت پر گورُو گوبند سنگھ جی کو اپنی مدد کے واسطے بُلایا۔ اور وہ اپنی فوج لے کر آئے۔ یہ مفصل حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

واقعات مندرجہ بالا سے ظاہر ہے کہ جنگ یا تو غلط فہمی کی بنا پر ہُوئی یا مُلک فتح کرنے کے واسطے۔ یعنی اُس کا تعلق مذہب یا دھرم سے نہیں تھا بلکہ وجہ ہوس مُلک گیری تھی۔ اور اُس زمانے میں ہر صاحب قوت کو یہی ہوس رہتی تھی (خواہ وہ مُسلمان ہو۔ یا ہندو یا سِکھ)۔ پہاڑی راجاؤں نے ہندو ہو کر گورُو جی پر حملہ کیا۔ اور پھر مُسلمان بادشاہ کی مدد لی۔



# ۲۲- جاں بازی

## مُسلمانوں نے سِکھوں پر جانیں قُربان کیں

(۱)

قلعہ گوبند پُور کا محاصرہ مُتواتر پانچ روز سے ہو رہا ہے۔ شاہی افواج نے قیامت برپا کر رکھی ہے۔ چند پہاڑی راجاؤں کی فوجیں بھی۔ دلّی کی فوج کے ساتھ شریک ہو گئی ہیں۔ پنجاب سے بھی لشکر آیا ہے۔ اور ان سب نے متفق و متحد ہو کر گرو گوبند سنگھ اور اُن کے جان نثار رفیقوں کے خلاف اسلحہ اُٹھانے اور ہنگامۂ کارزار گرم کر رکھا ہے۔

گُرُوجی اور جان نثار رُفقا نے بھی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ حریفوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ اور سپاہی سے لے کر افسر تک ان کا لوہا مان گئے ہیں

بہادر صید بیگ۔ اور جاں باز ماموں خاں کا تو کہنا ہی کیا ہے ان دونوں نے وہ ہاتھ دکھائے کہ دُشمنوں کے مُنہ سے بھی بے ساختہ صدائے

آفریں نکلی۔ جس سے میدان جنگ گونج اُٹھا
مومن خاں نے بھی وہ کمال دکھایا کہ اپنے بیگانے بھی عش عش
کرنے لگے۔
یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان تینوں اور دیگر مسلمانوں نے یہ جوش خروش
گورو گوبند سنگھ کی حمایت میں دکھایا۔ جو اُن لوگوں کے ہم مذہب نہیں تھے
بلکہ اس کے خلاف حریف ثانی ان کا ہم عقیدہ تھا۔

(۲)

آج جنگ کا چھٹا دن ہے۔ گورو جی اپنا لشکر لے کر قلعہ سے باہر نکل
آئے ہیں اور انہوں نے شاہی فوج پر نہایت زبردست ہلا بول دیا ہے
آپ بھی ذرا دوربین تھام لگا کر میدان جنگ کا نظارہ دیکھئے۔ وہ
ماموں خاں اور سید بیگ شمشیریں کھینچ کر شاہی لشکر میں گھسے
چلے جا رہے ہیں۔ اور آنکھیں بند کر کے تلواریں چلا رہے ہیں! دیکھئے جو بھی ان
کے سامنے آتا ہے وہ اُسے مولی گاجر کی طرح کاٹ ڈالتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں
نے دلی کی فوج کے بڑے بڑے افسروں کا قلع قمع کر دیا
لو! بیچارہ سید بیگ دُشمنوں کے نرغے میں پھنس گیا۔ مگر وہ
با ایں ہمہ کیسی بے جگری اور جاں بازی سے تلوار چلا رہا ہے۔ اُف! اُس
پر کتنے حریف ٹوٹ پڑے! —— لو دینا بیگ نے تو اُس کا کام
ہی تمام کر دیا۔ سید بیگ نے خون سے رنگین زمین پر گر کر ہمیشہ کے واسطے
آنکھیں بند کر لیں۔ یعنی وہ گورو جی کے مقاصد پہ قربان ہو گیا۔
یہ دیکھ کر مومن خاں کو جوش آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا
شیر کی طرح آگے بڑھا۔ اور دینا بیگ کو للکارا کہ میرے دوست کو قتل کر کے

لے تو بھی زندہ نہیں رہ سکتا! اب جاتا کہاں ہے! — اس نے یہ کہتے کہتے ایک ایسا کھینچا تُلا تلوار کا ہاتھ مارا کہ دینا بیگ کا سر کٹ کر بُھٹا سا الگ جا پڑا اور فریقین اس بہادر کی پُھرتی دیکھ کر دیکھتے حیرت میں غرق ہو گئے۔

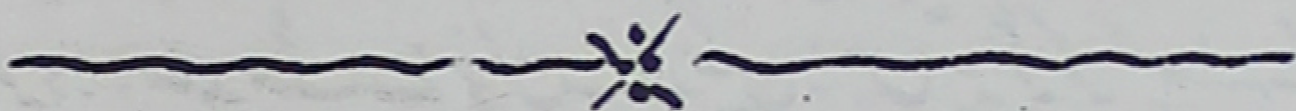
شاہی لشکر کا ایک اور بہادر انتقام کے لئے آگے بڑھا تو مومن خاں نے اُسے بھی کاٹ ڈالا۔ اور اس طرح کئی سپاہیوں اور افسروں کو عدم آباد روانہ کیا۔

ان حیرت انگیز مقابلوں نے سکھوں کے دلوں میں غیر معمولی جوش شجاعت پیدا کر دیا۔ چنانچہ وہ سب کے سب خون آشام تلواریں کھینچ کھینچ کر آگے بڑھے گویا اندھے ہو کر شاہی لشکر میں گھس گئے۔ اور گھنٹوں تک بہادروں کا کُشت و خون کرتے رہے۔

گورو گوبند سنگھ جی نے اصید خاں، ماموں خاں وغیرہ کی جانثاری دیکھی۔ اور دینا بیگ کی جاں بازی بھی ملاحظہ کی۔ اور دل میں کہا کہ حریف کے ان ہم عقیدہ لوگوں نے میری خاطر جانیں دیں!

اس جنگ نے شاہی لشکر کو غیر معمولی نقصان پہنچایا۔ چنانچہ وہ فرار پر مجبور ہوا۔ اور گورو گوبند سنگھ اور اُن کے بہادروں نے روپڑ (ضلع انبالہ) تک تعاقب کیا۔

یہ جنگ پھاگن سمت ۱۷۵۹ بکرمی یعنی ۱۷۰۳ء میں واقع ہوئی۔



# ۲۳۔ عطیہ

## ہندو نے سکھ کی مدد کی

(۱)

ایک بزرگ دریائے راوی کے دائیں کنارے پر جنگل میں (ٹھیک اُس جگہ جہاں آج کرتار پور آباد ہے) بیٹھے ہوئے لوگوں کو اخلاقی باتیں سُنا رہے ہیں۔ یہ موقع ڈیرہ بابا نانک کے سامنے ہے۔ یہ بزرگ بابا نانک دیو ہیں لوگ ان کے وعظ نہایت شوق سے سُنتے ہیں۔

بابا نانک۔ مہربانی کو عبادت گاہ، اور دِل کو سچائی کا مصلے بناؤ۔ حق حلال کھانا مقدس کتاب ہے ترک بدی خطبہ ہے۔ نرم مزاجی روزہ ہے۔ نیک عمل کعبہ ہے۔ نیک چلنی پُوجا اور نماز ہے۔ پس سچی عزت اِنہیں باتوں میں ہے

حاضرین۔ سچ فرمایا مہاراج!

بابا نانک۔ کسی غیر آدمی کا حق کھانا۔ گائے اور سُور کھانے سے زیادہ بدتر ہے۔ اِس لئے اِس سے سخت پرہیز کرو۔

ایک شخص۔ بے شک! بے شک!

بابا جی۔ رحم کی کپاس سے قناعت کا سوت لو۔ اور برہمچریہ کی گانٹھیں دے کر راستی کے بل دو۔ بس ذی عقل کے واسطے یہی زنار ہے اے برہمن اگر تمہارے پاس اِس قسم کا بٹا ہوا جنیو ہے تو پہنو اور سب کو پہنا دو۔ کیونکہ ایسا زنار نہ میلا ہو سکتا ہے۔ نہ ٹوٹ نہ جل سکتا ہے۔ اور نہ گم ہی ہو سکتا ہے۔ اُٹھ جانے والا زنار کس کام کا ہے۔

(۲)

گورو نانک جی۔ میں اِس جگہ چند جھونپڑے بنانا چاہتا ہوں۔ تاکہ یہاں مسافر۔ اور غریب آدمی آرام پا سکیں۔ یہ جگہ بہت پر فضا ہے۔ اور ہمیں پسند ہے۔

دیوان کروڑی مل کھتری۔ بہت مبارک بات ہے مہاراج! یہ زمین آپ ہی کی ہے۔ آپ شوق سے اسے آباد کریں۔ ویرانی سے آبادی اچھی ہے میں یہ زمین مہاراج کی نذر کرتا ہوں۔ اور تعمیر کے واسطے زر نقد اور سامان سے بھی خدمت کروں گا۔

(۳)

بابا گورو نانک ۱۴۶۹ء میں ایک چھوٹے سے گاؤں تلونڈی رائے بھوئی کے اندر پیدا ہوئے۔ جو جگہ آج کل "ننکانہ صاحب" کے نام سے مشہور ہے اور گوردوارے نام کی وجہ سے شہرت پذیر ہوئی۔ یہ ضلع گوجرانوالہ میں ہے ایک دن باپ نے انہیں کچھ روپئے دیکر سودا خریدنے گوجرانوالے بھیجا انہیں رستے میں چند بھوکے فقیر مل گئے۔ تو انہوں نے انہیں کھانا پکوا کر کھلا دیا۔ اور جب خالی ہاتھ گھر واپس ہوئے تو اُن کے باپ کالو رام

سخت ناراض ہو گئے۔
باپ نے کچھ مدت بعد گورو جی کو کپور تھلہ کے علاقے میں سلطان پور بھیج دیا۔ وہاں اُن کا داماد تھا۔ اس کی سفارش سے گورو جی وہاں کے نواب دولت خاں کے ہاں ملازم ہو گئے۔ وہ مودی خانہ کے مہتمم بنائے گئے۔ اب نقد و جنس سب کچھ اُن کے قبضے میں تھا۔ گورو جی نے خوب فیاضی دکھائی۔ یہاں تک کہ حاسدوں نے نواب سے اُن کی چغلی کھائی۔ مگر اُن کی عزت میں فرق نہیں آیا دوبارہ الزام لگا تو نوکری چھوڑ دی۔ نواب اُن کی بڑی عزت کرتے تھے۔
کچھ مدت بعد آپ کی شادی ہوئی۔ اور دو فرزند پیدا ہوئے

(۴)

اُس وقت کہنے کو تو لودھیوں کا راج تھا۔ مگر دراصل طوائف الملوکی کا دور تھا۔ ہندوستان کی متحدہ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئی تھیں۔ تاہم پنجاب میں لودیوں کا اثر تھا۔ یہ ودی ریاستیں ایک دوسرے کو ہڑپ کر جانے کی فکر میں تھیں۔ اس لئے لوگوں کا مال و جان محفوظ نہ تھا۔ مسلمانوں کو آئے ابھی سو سوا سو سال سے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے ان میں اور ہندوؤں میں اختلاف تھا جو بعض وقت بدمزگی اور نزاع پیدا کر دیتا تھا۔ جس سے ملک کا امن و امان خطرے میں پڑ جاتا تھا۔

گورو نانک صاحب نے ملک کی یہ خستہ حالی اور تباہی دیکھی تو اُن کے دل میں درد پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے تعصب کے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ نواب دولت خاں کے پاس رہنے سے انہیں ملک کی حقیقی حالت کا اندازہ ہوا۔ اور وہ اصلاح حال کے واسطے اُٹھ کھڑے

ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے یہی اپنا فرض سمجھا۔ گورو جی نے لڑائی فسادِ مٹانے اور صلح کرانے کی زبردست جدوجہد کی۔

وہ بار بار اپنے دل سے سوال کرتے تھے کہ جب تمام اِنسان ہم جنس اور برابر اور نوع ہیں تو پھر یہ باہمی کشمکش کیسی ہے؟ جواب مِلا کہ اِن لوگوں کے دلوں پر غرور اور جہالت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جو ان کو حقیقت اور صداقت سے دور کر رہا ہے۔

اب گورو جی نے مستعد ہو کر کہا کہ میں یہ پردہ چاک کروں گا۔ بس رختِ سفر باندھ کر گھر سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور یہاں کی دو قوموں (ہندو اور مسلمانوں) کی باہمی کشمکش مٹانے کی متواتر کوششیں اور لوگوں کو اسی قِسم کی نصائح کرتے رہے۔ آپ نے تعصب کی زنجیریں توڑنے کی کوشِش کی اور لوگوں کو نیکی و پاکیزگی اختیار کرنے کا وعظ بار بار کہا اور بتایا کہ سب سے بڑی عبادت یہی ہے۔ کہ انسان کی خدمت کیجائے۔

یہی ہے عبادت۔ یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں (مولوی حالی مرحوم)

آپ نے بہت سے ملکوں اور شہروں کی سیر کی۔ ہردوار۔ ایران عرب اور شہر مکّے پہنچے افغانستان بھی گئے۔ آپ کی باتیں ہندو مسلمان عموماً سب ہی پسند کرتے تھے۔ ہندو مسلمان آپ کے بہت سے مرید اور چیلے بن گئے۔ جو سِکھ کہلائے۔

گورو جی نے سمت ۱۵۶۹ بک میں دریائے راوی کے کنارے خوش قطع زمین دیکھ کر گاؤں آباد کرنے کا ارادہ کیا۔ تو لاہور کے رئیس کھتری کروڑی مل نے اُس زمین کا قبالہ گورو جی کے حوالے کر دیا۔ اور تعمیر میں بھی ہر طرح

کی مدد دی۔

۱۵۲۵ء میں وفات پائی۔ اُن کے ہزاروں چیلے ہندو بھی تھے۔ اور مسلمان بھی۔ اب ہندو انہیں ہندو کہہ کر پھونکنا چاہتے تھے۔ اور مسلمان، مسلمان سمجھ کر انہیں دفن کرنا چاہتے تھے۔ اسی بات پر جھگڑا بڑھنے لگا اور تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔ عین اِس وقت جنازہ سے چادر اُٹھائی گئی تو نعش ہی ندارد۔ مجبوراً اُن کی آدھی چادر جلائی گئی۔ اور آدھی قبر میں دفن کی گئی۔

ڈیرہ بابا نانک کے بالمقابل دریائے راوی کے دائیں کنارے پر بابا نانک کی آخری آرام گاہ ہے۔ جو کرتارپور کے نام سے مشہور ہے۔



# ۲۴۔ بدی کا بدلہ

## (سکھوں نے ہندوؤں کی مدد کی)

(۱)

سپہ سالار الف خاں۔ نے پہاڑی راجاؤں۔ کرپال سنگھ اور بھیم چند والئی ملاس پور وغیرہ کا قافیہ تنگ کر رکھا ہے چنانچہ وہ کئی معرکے مار

چکا ہے۔

الف خاں کو صوبے دار سرہند شمس الدین خاں نے پہاڑی راجاؤں سے بقایا خراج وصول کرنے بھیجا ہے۔ یہ راجہ سخت تنگ آ چکے ہیں۔ ہزاروں تدبیریں سوچتے ہیں۔ مگر بنائے کچھ نہیں بنتا۔

یہ راجا اس وقت بھی یہی سوچنے کے واسطے جمع ہوئے ہیں۔

راجہ کرپال سنگھ۔ اب ہماری نجات کا رستہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

راجہ بھیم چند۔ بے شک! اب ہم کو مصالحت کرکے اُن سے امداد حاصل کرنی چاہیئے۔

راجہ لکھمی چند۔ مگر اب ہم اُن سے کس مُنہ سے مدد مانگ سکتے ہیں۔

راجہ کرپال سنگھ۔ مدد مانگیں بھی۔ اور صُلح کی سلسلہ جنبانی بھی کریں۔ تو وہ مانیں گے کا ہے کو۔ کیا وہ پچھلی باتیں بھول سکتے ہیں؟

راجہ بھیم چند۔ بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ تاہم گورو جی بڑے نیک ہیں۔ اُن کے مزاج میں حد سے زیادہ نرمی ہے۔ پس وہ یقیناً ہماری امداد پر آمادہ ہو جائینگے۔

لکھمی چند۔ میری رائے بھی یہی ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی کی خدمت میں ایلچی بھیج کر اُن سے صُلح کی جائے۔ اور اُن کی امداد سے دشمن کو دفع کیا جائے۔

راجہ کرپال سنگھ۔ بے شک! اور ہمیں جلدی کرنی چاہیئے۔ الف خاں ہمارا کافی نقصان کر چکا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ سرہند اور لاہور سے

اُس کی امداد کے واسطے اور فوجیں آ رہی ہوں۔ اگر وہ آج کل ہی یہاں پہنچ جائیں تو مُصیبت اور بھی بڑھ جائیگی۔

راجہ بھیم چند۔ تو آج ہی قاصد روانہ کر دیتے ہیں۔

لکھمی چند۔ مگر آدمی ایسا ہوشیار جانا چاہیئے۔ جو گورو جی پر اثر ڈال سکے اور ہمیں کامِل کامیابی حاصل ہو۔

(۲)

انند پور کے قلعے کے اندر بہت سے سِکھ بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتاً گورو گوبند سنگھ جی خنجر بکف اپنے خیمہ سے باہر نکلے اور فرمایا کہ قوم کی خدمت کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ ایک سِکھ اِدھر آئے۔

یہ رنگ بیرنگ دیکھ کر بہت سے سِکھ تو مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ مگر ایک جواں مرد گورو جی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور بولا۔ "میرا سر حاضر ہے"۔

گورو جی اُسے خیمے میں لے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئے۔ اب اُن کے ہاتھ میں خون آلودہ تلوار تھی۔ اور اُن کا چہرہ اور آنکھیں بھی سُرخ ہو رہی تھیں۔

اب گورو جی پُرجوش لہجے میں بولے — "ایک اور سرباز سِکھ کی ضرورت ہے!"

حاضرین نے سمجھ لیا تھا کہ پہلا خیمے میں جانیوالا سِکھ ملک عدم پہنچ چکا ہے۔ خون آلودہ تلوار بھی اِس کی شہادت دے رہی ہے۔ پس آگے بڑھنا بے شُبہ موت کے مُنہ میں جانا تھا۔

لیکن اِس کے باوجود ایک سِکھ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور گورو جی کے سامنے سر جھکا کر آ کھڑا ہوا۔ وہ اِسے بھی خیمے میں لے گئے۔ اور جب اکیلے

واپس آئے تو خون سے لتھڑا ہوا خنجر اُن کے ہاتھ میں تھا۔ گویا وہ دوسرے سکھ کو بھی قتل کر کے آئے ہیں۔

اِس طریق سے گورو جی پانچ سکھوں کو خیمے میں لے گئے۔ اور تنہا واپس آتے رہے۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ اب میری تسلّی ہو گئی ہے کہ قوم قربانی کے واسطے تیار ہے"۔

اِس کے بعد وہ خیمے میں گئے۔ اور جب واپس آئے تو وہ پانچوں سکھ صحیح و سلامت اُن کے ساتھ تھے۔

یہ دیکھ کر تمام حاضرین خوش ہو گئے۔ اور سمجھ گئے کہ گورو جی نے محض امتحان لیا ہے گورو جی نے خیمے کے اندر بکرے قتل کئے تھے۔

گورو جی نے اُن پانچ سکھوں کی بڑی عزت اور تعریف کی اور پھر فرطِ محبت سے اُنہیں گلے لگایا۔

آگے چل کر یہی سکھ "پانچ پیارے" کہلائے۔

(۳)

پہاڑی راجاؤں کا قاصد۔ گورو گوبند سنگھ جی کی خدمت میں حاضر ہے۔ پانچ پیارے اور بہت سے سکھ بھی بیٹھے ہیں۔

گورو جی۔ حالت کیا ہے!

قاصد۔ مہاراج جھوٹ بولنے سے کیا حاصل! الف خاں نے گویا قیامت برپا کر رکھی ہے۔ اور اُس کی مدد کے واسطے فوجیں چلی آ رہی ہیں پس آپ کی مدد کی اشد ضرورت ہے۔

ایک سکھ۔ (جوش سے) اِن پہاڑیوں کو ہم سے مدد مانگتے شرم نہیں آتی۔ کیا یہ وُہی لوگ نہیں۔ جنہوں نے متفق ہو کر ہم پر حملہ کیا تھا

اور ہمارا نام و نشان تک صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کی تھی!
دُوسرا یہ کہ۔ لیکن وُہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے! بلکہ خُود ہی مُنہ کی کھا ئی۔
تیسرا۔ یہی حال اُن کے حامیوں اور دوستوں کا بھی ہُوا۔
چوتھا۔ اِس کے باوجود آج ہم سے کس مُنہ سے مدد مانگی جاتی ہے!
پانچواں۔ شرم کا مقام ہے۔
چھٹا۔ اب جو اُن کی ریاستوں میں سرہند کی فوجیں تباہی مچا رہی ہیں تو گورُوجی اور ہم یاد آئے ہیں۔ ہم سے صُلح کرنے کی سُوجھی ہے۔ اور امداد طلب کی جا رہی ہے! شرم تو نہیں آتی
قاصد۔ یہ سب کچھ صحیح ہے! سب راجہ اپنا قصُور مانتے ہیں۔ مگر یہ آئندہ ہمیشہ دوست اور وفادار بنے رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہیں گورُوجی کی رحمدلی پر کامل اعتماد ہے۔ اور اُنہیں یقین ہے کہ گورُوجی ضرور اُن کی مدد کریں گے۔
گورُو گوبند سنگھ۔ بے شک! میں اُن کی آس نہیں توڑونگا۔ وہ اگرچہ خطاکار ہیں۔ تاہم میں اُنہیں ۔ دوُنگا۔
قاصد۔ گورُوجی کی جے ہو!
گورُوجی۔ تم اُن کی تسلی کر دو۔ ہم جلد ہی اپنی فوجیں لے کر اُدھر آتے ہیں اور تمہارے راجاؤں کو مُصیبت سے نجات دلاتے ہیں۔
قاصد۔ حضُور کا اقبال بڑھے۔ آپ تو سمندر ہیں۔
گورُوجی وعدہ کے مُطابق پہاڑی راجاؤں کی مدد کے واسطے فوجیں لے کر گئے۔ اُن لوگوں کو مُصیبت سے نجات دلائی۔ اور اُن کے گزشتہ

قصور نظر انداز کر دیجئے۔

# ۲۵۔ شرافت

## ایک ہندو نے مسلم خاتون کی مدد کی

(۱)

شام کا جھٹ پٹا سا ہو گیا ہے۔ پرندے چگ چگا کر اپنے اپنے آشیانوں کو واپس جا رہے ہیں۔ اس وقت سیالکوٹ کے جنگلوں سے ایک قافلہ گزر رہا ہے۔

یہ قافلہ ملکہ زمانی یعنی شاہ دہلی محمد شاہ کی بیگم کا ہے۔ کوئی بیس مرد بھی ہمراہ ہیں۔ جن میں سے دس گھوڑوں پر سوار ہیں۔ ملکہ پالکی میں جا رہی ہیں۔

ملکہ زمانی اپنی دختر کو دیکھنے کے واسطے کابل جا رہی ہیں۔ جو وہاں بیمار ہے۔ شہزادی کی شادی تیمور (ابن احمد شاہ درانی) سے ہوئی ہے اور اب اس کی شدید علالت کی خبر دہلی آئی ہے۔ تو ملکہ اسے دیکھنے جا رہی ہے۔ اس وقت صاحب حکومت محمد شاہ ہے۔

جب احمد شاہ دُرّانی دہلی پہنچا تو جنگ و جدال کے بعد اس کی شادی احمد شاہ (شاہ دہلی کی دُختر) کے ساتھ ہوئی۔ نیز شہزادہ تیمور کا نکاح بنت محمد شاہ سے ہوا۔

ملکہ زمانی کے ہمراہ لاکھوں کا مال و دولت ہے جو وہ کابل لے جا رہی ہے۔ بات یہ ہے کہ اب ملکہ کا ارادہ کابل سے واپس آنے کا نہیں تھا۔ اسی واسطے جواہرات وغیرہ بھی ساتھ لے چلی ہے۔ ہند کی دولت افغانستان کو جا رہی ہے۔

رفتہ رفتہ تاریکی بڑھتی گئی۔ آفتاب غروب ہوگیا تو قافلے نے جنگل ہی میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور لوگ کھا پکا کر پڑ کر سو رہے۔ صرف دو سپاہی پہرہ دینے کیواسطے جاگتے رہے۔

ٹھیک آدھی رات کے وقت بہت سے ڈاکو ان مسافروں پر آ پڑے۔ اور لوٹ مار شروع کی۔ ان کی تعداد زیادہ تھی اور سب کے پاس تلواریں اور بندوقیں تھیں۔ شاہی آدمیوں نے اِن کا مقابلہ کیا۔ مگر ڈاکوؤں نے اِن سب کو کاٹ ڈالا۔ یا زیر کرلیا۔ یا سخت زخمی کر دیا۔ اصل میں یہ ڈاکو قافلہ کے تعاقب میں تھے۔ اور انہیں معلوم تھا کہ شاہی قافلے کے پاس بیشمار دولت ہے۔ پس وہ دولت ڈاکوؤں نے تمام کی تمام لُوٹ لی۔ اور بیچاری ملکہ کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہ چھوڑی۔ قافلہ کے تقریباً مرد تہ تیغ ہوئے۔ صرف عورتیں ہی باقی رہ گئیں۔ ڈاکو لُوٹ کر ہوا ہو گئے۔ اور مال و دولت لاد کر اپنے ساتھ لے گئے۔

(۲)

ملکہ زمانی ایک ہفتہ سے شہر جموں میں مقیم ہیں۔ یہاں کے راجہ رنجیت دیو

ٹھاکر کی مہمان ہیں۔ راجہ اِن کی خاطر تواضع میں بڑی فراخدلی دِکھا رہے ہیں
جب جموں کے راجہ کو معلوم ہوا۔ کہ ملکہ زمانی کا قافلہ سیالکوٹ کے قریب
سِکھ ڈاکوؤں نے لُوٹ لیا تو اس سچے اور شریف راجپوت کو افسوس ہوا
اس نے فوراً اپنے کئی سردار ہر قسم کا ضروری سامان دیکر سیالکوٹ کی طرف
بھیجے۔ جو ملکہ کو نہایت آرام و عزت کیساتھ جموں لے آئے۔ چنانچہ اب ملکہ
راجہ کی مہمان ہیں۔ اور ملکہ کی خواہش کے مطابق اُن کی کابل کی روانگی کا سامان
درست کیا جا رہا ہے۔

(۳)

جموں سے دس کوس آگے۔ جانب شمال ملکہ کا قافلہ جا رہا ہے۔ راجہ نے ان
کے ساتھ حفاظت کے لئے کافی فوج کر دی ہے۔

اِس قافلے کے کوئی ایک کوس چلنے کے بعد۔ مقابل سمت سے ایک اور
قافلہ آتا نظر آیا تو۔ شاہی قافلے کے لوگ اِس خیال سے گھبرا گئے۔ کہ کہیں ڈاکو
نہ ہوں لیکن وہ ڈاکو نہیں تھے۔ وُہ ایک جنازے کا جلوس تھا۔ جنازہ افغانوں
کی حفاظت میں آ رہا تھا۔ اور صندوق پر سیاہ رنگ کا قیمتی دوشالہ پڑا ہُوا
تھا۔ یہ دراصل ملکۂ زمانی کی اسی بیمار دختر کی نعش تھی۔ جسے دیکھنے کیلئے وُہ کابل
جا رہی تھی۔ اس کی وفات ملکہ کے پہنچنے سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ ملکہ کو اس
حادثے سے بڑا قلق ہُوا۔ اور دونوں قافلے سردست اسی جگہ اقامت گزین ہو گئے
اب ملکہ نے کابل جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور جنازے کے ہمراہ دہلی ہی
واپس جانے کا ارادہ کیا۔

یاد رہے۔ کہ شہزادی کی نعش کے ساتھ اسباب و جنس اور نقدی کی صورت
میں ہزاروں روپیہ تھا۔ اور یہ دراصل مرنے والی کا جہیز تھا۔

(۴)

گوجانوالہ کے جنگل میں ملکۂ زمانی کا قافلہ پڑا ہوا ہے۔ شہزادی کی نعش بھی معہ ساز و سامان موجود ہے۔ ڈاکوؤں نے آدھی رات کو ڈاکہ ڈالا اور وہ تمام مال و متاع لوٹ کھسوٹ کر لے گئے۔

اب پھر لٹے ہوئے قافلے کو نعش لے کر جموں جانا پڑا۔ راجہ رنجیت دیو نے اُن لوگوں کی تسلی و تشفی کی کئی روز ٹھہرا کر ان کی مہمان داری کی۔ اور اس کے بعد کافی روپیہ دیکر نیز حفاظت کے لئے فوج ہمراہ کر کے "قافلہ دہلی کی طرف روانہ کر دیا۔

(۵)

محمد شاہ ۱۷۱۹ء میں تخت نشین ہوا۔ مگر اس وقت حکمران اور اصل بادشاہ سید عبداللہ اور اس کا بھائی حسین علی تھا۔ ۱۷۳۹ء میں نادرشاہ کا حملہ ہوا۔ وہ ایران کا بادشاہ تھا۔ لاہور پر قبضہ کر کے دہلی جا پہنچا۔ نادر شاہ کے بعد احمد شاہ درانی نے کئی حملے کئے اور آخر کار شاہ دہلی سے رشتہ ناطہ جوڑا۔

اس وقت سلطنت دہلی نہایت کمزور ہو چکی تھی۔ کیونکہ آصف جاہ دکن میں سعادت علی خاں لکھنؤ میں اور علی وردی خاں بنگال میں اور گنگا جمنا کے زرخیز دوابے میں روہیلے سردار خود مختار اور آزاد حکمران بن چکے تھے۔

(۶)

جب ملکہ کا قافلہ صحیح و سلامت دہلی جا پہنچا۔ تو ملکۂ زمانی نے بادشاہ کو اپنی مصیبت کی کہانی سنائی۔ اور جموں کے مہاراجہ کی مہربانیوں کا ذکر کیا تو بادشاہ بہت ہی خوش ہوئے اور راجہ کو ایک طویل خط بھیجا۔ جس میں راجہ کی عنایات کا شکریہ ادا کیا۔

راجہ رنجیت دیو یقیناً ہندو تھے۔ اور شاہ دہلی اور ان کی ملکہ بے شک و شبہ مسلمان تھے۔ لیکن اس کے باوجود راجہ نے ملکہ کی امداد کی۔



# ۲۶۔ کرامتِ بُت خانہ

## (مُسلمان نے ہندو کی خاطر کیا کیا)

(۱)

شہنشاہ اورنگ زیب۔ (اپنے میر منشی چندر بھان سے) کیا یہ شعر تمہیں نے کہا ہے!

بہیں کرامتِ بت خانہ مَرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

اے شیخ! میرے بُت خانہ (مندر) کی بزرگی دیکھ کہ جب وُہ تباہ وویران ہوتا ہے تو خدا کا گھر (مسجد) بنتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بادشاہ نے بنارس کا ایک مندر توڑ کر مسجد بنانے کا حکم دیا تھا۔ اور اُس کے میر منشی چندر بھان نے اسی واقعہ کے متعلق

یہ شعر کہا تھا۔

چندر بھان۔ حضور! یہ شعر خاک رہی کا ہے۔

اورنگ زیب۔ (مسکرا کر) ہمارا خیال ہے کہ تم نے "شیخ" کی بجائے کوئی اور لفظ استعمال کیا تھا۔ ذرا بتاؤ تو وہ کیا لفظ تھا۔!

چندر بھان۔ اعلیٰ حضرت کا خیال درست ہے۔ درحقیقت اصل لفظ اور ہے۔

اورنگ زیب۔ تو سچ سچ بتاؤ۔

چندر بھان۔ شاید گستاخی سمجھی جائے! جاں بخشی کا ارشاد ہو۔

اورنگ زیب۔ بے خوف بتاؤ۔ جان بخشی ہے۔

چندر بھان۔ جہاں پناہ! فدوی نے "شیخ" کے بجائے "شاہ" لکھا تھا۔

اورنگ زیب۔ ہمارا بھی یہی خیال تھا! یہ تم نے بنارس کے مندر کے متعلق کہا ہے نا! ——

ہم بہت خوش ہوئے کہ تم سچ بولے —— اب اس کا انعام بھی تمہیں ملنا چاہیئے۔!

اورنگ زیب نے فوراً مندر توڑ کر مسجد بنانے کا حکم منسوخ کر دیا اور آئندہ کے واسطے احکام جاری کر دیئے کہ کوئی مندر توڑ کر مسجد نہ بنوائی جائے۔

(۲)

شہنشاہ اورنگ زیب۔ کیا یہ بات سچ ہے!

بوڑھا برہمن۔ فدوی کی کیا مجال ہے۔ کہ حضور شہنشاہ میں غلط

عرض کرے۔ اُس نے میری بیٹی کہیں چھپائی ہوئی ہے۔ اور وُہ زبردستی اُس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

شہنشاہ۔ تم اطمینان رکھو کہ وُہ ایسا ظلم نہیں کر سکے گا۔ اور تمہاری بیٹی تمہیں مِل جائیگی"

بوڑھا برہمن۔ شہنشاہ کا آفتاب اقبال تادور آفتاب تاباں دور خشاں رہے۔

شہنشاہ۔ تم ٹھہرو آج آرام کرو۔ ہم کل تمہارے ساتھ جوَن پور روانہ ہوں گے۔ شاہی مہمان خانے میں قیام کرو۔

(۴)

شہنشاہ اورنگ زیب جون پُور کے قلعے میں موجود ہیں۔ اور یہاں کا عامل (گورنر) سامنے کھڑا ہوا تھر تھر کانپ رہا ہے۔

جب بُوڑھے برہمن کی فریاد جون پور نہیں سُنی گئی تو وُہ بے چارہ مرتا کھپتا دہلی جا پہنچا۔ اور اُس نے شہنشاہ سے اپنی مظلومیّت کا قِصّہ بیان کیا۔

بات یہ تھی کہ جوں پُور کے گورنر نے برہمن کی بیٹی پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور وُہ اُس سے جبراً شادی رچانا چاہتا تھا۔

شہنشاہ عالمگیر معہ اپنے دو مصاحبوں کے ایک سانڈنی پر سوار ہوئے۔ دُوسری سانڈنی پر برہمن کو سوار کرایا۔ اور شہنشاہ دھاوا بولتے ہوئے چوتھے ہی روز جوں پُور آ پہنچے۔

یہ دیکھ کر گورنر کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور اُسے ملک الموت نظر آ گیا۔ شہنشاہ نے کامل تحقیقات کی تو برہمن کو مظلوم پایا

پس اُس کی بیٹی تلاش کر کے اُس کے حوالے کی گئی۔ اور گورنر کو معزول کر کے اُسے سخت سزا دی گئی۔

(۲)

حاکم بنارس سردار ابوالحسن اپنے محل میں بیٹھا ہوا۔ ایک تحریر پڑھ رہا ہے یہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا فرمان ہے۔ جو آج ہی دلی سے موصول ہوا ہے۔

نشور لامع النور محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی ابن صاحبقران ثانی لائق العنایت والرحمتہ ابوالحسن بالتفات شاہانہ امیدوار بوده بداند۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شریعت غرا کے مُقدس قانون کے مُطابق گو نئے مندر نہیں بنائے جا سکتے۔ تاہم پُرانے مندر توڑے بھی نہیں جا سکتے!!

یہ خبر ہمارے گوش گزار ہوئی ہے کہ بعض عمّال از راہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اُس کے نواح کے دیگر مقامات کے اُن ہندوؤں اور برہمنوں سے جو قدیم بُت خانوں کے پروہت ہیں۔ تشدد روا رکھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ برہمنوں کو اُن کی پروہتی سے علیحدہ کر دیں۔ جس کا نتیجہ اِس کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا کہ وُہ بے چارے پریشان ہو کر مبتلائے مُصیبت ہو جائیں گے۔

اِس لئے تمہیں حُکم دیا جاتا ہے کہ اِس فرمان کے وصُول ہوتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دیگر ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرنے پائے۔ اور کوئی امر اُن کی تشویش کا باعث نہ ہو۔ تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنے منصبوں پر قائم رہ کر با اطمینان

قلب۔ ہماری دولت خُداداد کے حق میں مصروف دُعا ہے۔ اس باب میں تاکید مزید جانو۔

(۱۵ جمادی الثانی ۱۰۲۹ھ)

(۵)

یہ اصل فرمانِ قلمی، (جو فارسی زبان میں ہے) بنارس میں آج بھی موجُود ہے۔

مُحقق انگیز کرنل۔ڈی۔سی۔فلِٹ۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں بنارس گئے تو اصل فرمان کا عکس دیکھا۔ مگر اُنہیں اِس کے حقیقی ہونے کا یقین نہیں آیا۔ لہٰذا اصل کی تلاش شروع کی۔ آخر کار شہر بنارس کے کوتوال خان بہادر محمدؐ طیّب کی امداد سے اصل فرمان دیکھ لیا۔ تو اطمینان ہُوا۔

اِس فرمان کی پُشت پر شہزادہ محمدؐ سُلطان کی مُہر ہے۔

یہ فرمان کرنل فلِٹ نے اُسی زمانے میں اخبارات کے اندر شائع کرایا تھا۔



# ۲۷۔ شیرِ پنجاب

## (سِکھ نے مُسلمان کی اِمداد کی تو کیا اِنعام پایا)

(۱)

نوجوان رنجیت سنگھ۔ ایک خط جھُوم جھُوم کر پڑھ رہا ہے۔ یہ شاہ زمان بادشاہ کابل کا خط ہے۔ شاہ کابل پنجاب پر حملہ آور ہُوا ہے۔ اور چند ماہ سے یہاں مقیم رہے۔ سخت بارش ہو رہی ہے۔ ماہ رمضان بھی شروع ہونیوالا ہے۔ لہٰذا بادشاہ کا ارادہ جلد واپسی کا ہے۔

جب زمان شاہ نے دریائے چناب عبُور کیا تو اُس کی دس توپیں غرق ہو گئیں۔ جو کسی تدبیر سے بھی نہیں نِکل سکیں —— بادشاہ نے اس سِلسلے میں حسب ذیل خط رنجیت سنگھ کو بھیجا ہے۔ جو اِس علاقے کا ایک زبردست سردار ہے۔

"سردار رنجیت سنگھ بعافیت باشند! مابدولت کی دس توپیں دریائے چناب میں غرق ہو گئی ہیں۔ اور چونکہ ایں جانب جا رہے ہیں۔ لہٰذا اُن کے نکالنے کا موقع نہیں۔ اور اب دریا بھی خُوب طُغیانی پر ہے! مُناسب

ہے۔ کہ دریا جانے کے بعد تم وہ توپیں نکلوا کر ہمارے پاس کابل بھجوا دو اگر تم یہ کام کر سکے تو بادولت تم سے بے حد خوش ہوں گے۔ اور پنجاب بھر کی حکومت بھی تمہارا حصہ ہوگی۔ ہم تمہیں یہ عطا کرتے ہیں (بحکم زمان شاہ والی کابل افغانستان)

رنجیت سنگھ۔ میں یہ توپیں دریائے چناب سے نکال کر کابل ضرور بھیجوں گا۔ اور اب پنجاب کا راجہ میں ہی بنوں گا۔ ضرور ایسا ہی ہوگا ہاں! اب پنجاب کی قسمت میرے قبضے میں آنے والی ہے۔

(۲)

کابل کے بادشاہ زمان شاہ نے اول ۱۷۹۷ء میں پنجاب پر حملہ کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ دوسری بار حملہ کیا تو برسات کا موسم تھا۔ اس لئے دس توپیں چناب میں غرق ہو گئیں۔ شاہ کابل واپس چلا گیا۔ اور توپیں نکالنے کی خدمت رنجیت سنگھ کے سپرد کر گیا۔

اس سے پیشتر کابل کے سابق بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر متواتر حملے کر کے سلطنت مغلیہ کو کمزور کر دیا تھا۔

جب احمد شاہ پنجاب پر حملہ آور ہوتا تھا تو سکھ اُس کے مقابلے سے گریز کرتے تھے۔ مگر اُس کی واپسی پر پھر باہر نکل آتے تھے۔ حقیقت میں اُس وقت پنجاب پر سکھ ہی قابض تھے۔

۱۷۶۲ء میں پنجاب کے اندر کوئی بارہ ریاستیں موجود تھیں جنہیں "مثلیں" کہتے تھے۔ کیونکہ وہ باہم ہمرتبہ تھیں۔ تاہم سکیرچکیہ کچھ ممتاز تھی اس کا راجہ چڑت سنگھ اور دارالریاست گوجرانوالہ تھا۔ اور اِرد گرد کا بہت سا علاقہ اِس میں شامل تھا۔

رنجیت سنگھ اُسی سردار کا بیٹا تھا۔ رنجیت سنگھ کے باپ کا نام مہاں سنگھ تھا۔ اُس نے باپ کی ریاست کو وسعت دی۔ مہاں سنگھ میدانِ جنگ میں کام آیا یہ حادثہ ۱۷۹۲ء کا ہے۔ اور اسی وقت رنجیت سنگھ راجہ بنا۔ جس کی عمر صرف بارہ سال کی تھی۔

نوجوان رنجیت سنگھ نے اٹھارہ سال کی عمر میں شاہ کابل زمان شاہ کی توپیں چناب سے نکلوا کر کابل بھجیں۔ اور اِس طرح اپنے آپ کو پنجاب کی حکومت کا مستحق ثابت کیا۔

اُس زمانے میں لاہور میں تین سردار حکومت کر رہے تھے۔ مگر رعایا خوش نہیں تھی بلکہ شاکی تھی۔ پس اہل لاہور نے راجہ رنجیت سنگھ کو بلایا اور وُہ حریفوں کو شکست دیکر لاہور پر قابض ہوگیا۔

راجہ نے اگلے چند سالوں میں بہت سے مُلک پر قبضہ کر کے ۱۸۰۲ء میں مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ اسی سال امرتسر کی حکومت بھی اُس کے ہاتھ آگئی۔ آخر کار ۱۸۰۵ء میں تمام سکھوں نے رنجیت سنگھ کو اپنا مہاراجہ تسلیم کر لیا۔ اور اب وُہ پنجاب کا سب سے بڑا حکمران وُہی تھا۔

(۳)

آج کل شہر لاہور میں غیر معمولی چہل پہل ہے۔ ہر مکان اور دُکان آراستہ کی جا رہی ہے۔ سکھ اور ہندو مُسلمان تمام قومیں خوشیاں منا رہی ہیں۔ قلعہ اور شہر میں جا بجا رقص و سرود کی محفلیں جمی ہوئی ہیں بچے خوشی سے ٹوپیاں اُچھالتے پھر رہے ہیں۔

بات یہ ہے کہ کل، بھادوں سمت ۱۸۵۸ (م) (۱۸۰۱ء) کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاں فرزند پیدا ہُوا ہے۔ جس کا نام کھڑک سنگھ رکھا گیا

ہے۔ رنجیت سنگھ نے مہاراجہ کا لقب بھی اختیار کیا ہے۔

اسی تقریب سے مہاراجہ نے خاص و عام کو جشن منانے کا حکم دیا ہے۔ تمام شہر خصوصاً ضلعے میں خیر خیرات عام طور پہ کی جا رہی ہے

آج مہاراجہ نے دربار بھی منعقد کیا ہے جس میں ہر مذہب و ملت کے امیر رئیس عالم۔ فاضل اور شاعر شامل ہوئے ہیں۔ اور اُن کو حسب حیثیت انعام واکرام دیا گیا ہے۔ آج ہی مہاراجہ نے اپنے نام کا سکہ بھی رائج کیا ہے۔

اس وقت لاہور کے قاضی نظام الدین —— مہاراجہ کی خدمت میں پیش ہیں۔

قاضی نظام الدین۔ حضور! اب قبالجات کی تحریر و تصدیق کی خدمت کون انجام دیا کریگا!

مہاراجہ۔ غالباً پہلے یہ کام آپ ہی کرتے تھے۔

قاضی۔ جی حضور والا!

مہاراجہ۔ تو اب بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہے گی۔ شاہانِ اسلام کے زمانے کے مطابق۔

قاضی۔ مہاراجہ کا آفتاب اقبال بلند ہو۔

مہاراجہ۔ ہر قبالہ کی تحریر و تصدیق آپ ہی اپنے دستخطوں اور مہر سے کیا کیجئے۔ اور اس سے پہلے دستاویز غور سے دیکھ لیا کیجئے۔ تا کہ بعد کو کوئی جھگڑا پیدا ہونے نہ پائے۔

قاضی۔ ارشادِ عالی کی تعمیل کروں گا۔

مہاراجہ نے قاضی صاحب کو خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا۔

# ۲۸۔ انجامِ ستم

## (مسلمانوں نے سکھ مظلوم کی مدد کی)

(۱)

قلعۂ دہلی کے محل خاص میں دیوان چندو لال۔ بادشاہ کے پاس بیٹھے ہوئے عرض معروض کر رہے ہیں۔

چندو لال۔ یہ ہرگوبند بھی اپنے باپ سے کم نہیں۔ اُس پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

بادشاہ۔ تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ ہمیں تو وہ نیک منش اور فقیر مزاج آدمی معلوم ہوتا ہے۔

چندو لال۔ جہاں پناہ کا ارشاد بجا ہے —— مگر۔

بادشاہ۔ مگر کیا۔

چندو لال۔ حضرت سانپ کا بچہ بھی تو سنپولیا ہوتا ہے۔

بادشاہ۔ پھر، کیا کیا جائے؟

چندو لال (دل میں اب دشمن کو تباہ کرنیکا خوب موقع ہے) جہاں پناہ کو بھی یاد ہوگا کہ حضور نے اس کے باپ ارجن دیو پر دولاکھ روپیہ کا جرمانہ کیا تھا مگر وہ رقم کثیر آجتک نہیں وصول ہوئی۔

بادشاہ۔ اچھا! مگر ارجن دیو تو مرچکا ہے۔

چندو لال۔ تاہم اس کا بیٹا ہرگوبند تو زندہ ہے۔

بادشاہ۔ تو کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ باپ کا جرمانہ بیٹے سے وصول کیا جائے؟

چندو لال۔ بے شک! باپ کا قرض بیٹے ہی سے وصول کیا جاتا ہے۔ حضور دنیا کا قاعدہ یہی ہے۔ مرحوم کا قرض اس کے وارث چکاتے ہیں۔ بزرگوں کا ترکہ اور وراثت بھی تو وہی لیتے ہیں۔

بادشاہ۔ (سوچ کر) کیا اس کے پاس روپیہ ہوگا؟

چندو لال۔ کیوں نہیں! حضور وہ تو لاکھوں دبائے بیٹھا ہے اور آجکل سلطنت کو روپیہ کی بڑی ضرورت ہے۔

بادشاہ۔ اچھا تو! طلب کرو۔ خریطہ روانہ کرو۔

یہ کہہ کر بادشاہ چلا جاتا ہے۔

دیوان چندو لال۔ اس کو بھی تباہ کرکے دم لوں گا۔ اب وہ میرے پھندے سے نکل کر کہاں جاتا ہے۔ اس نے مجھے سمجھا کیا ہے!

(۲)

مذکورہ بالا واقعہ کے ایک ماہ بعد بادشاہ نے چندو لال سے سوال کیا ——— کیا جواب آیا؟

چندو لال۔ وہی جس کی امید تھی۔ اس نے ٹال مٹول کی ہے

بادشاہ۔ آخر کیا لکھا ہے؟ ہم بھی تو سنیں۔

چندو لال۔ لکھا ہے کہ ہم غریب ہیں۔ فقیر آدمی ہیں۔ روپیہ ہمارے پاس کہاں سے آیا۔ چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں!

بادشاہ۔ مگر کیا یہ سچ نہیں ہے۔

چندو لال۔ نہیں! ہرگز نہیں۔ بالکل جھوٹ ہے۔ مکاری ہے حضرت محض فریب کاری ہے

بادشاہ۔ تو کیا وہ دانستہ ٹال رہا ہے۔

چندو لال۔ اور کیا! وہ بھی اپنے باپ کی مانند باغی ہے۔ اور عیاری کا پتلا۔

بادشاہ۔ تو پھر کیا کیا جائے!

چندو لال۔ قید میں ڈال دیجئے بس بھیا کا دماغ درست ہو جائیگا

بادشاہ۔ کیا اسطرح روپیہ وصول ہو جائیگا۔!

چندو لال۔ ایک ایک پائی وصول ہو جائیگی۔ اس بات کی ذمہ داری فدوی لیتا ہے۔ حضور گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلتا۔ قید بھی کسی نہایت مضبوط قلعہ میں کرنا چاہیئے۔ بڑا سازشی ہے۔ اُس کے مددگار بھی بڑے ہیں۔ گوالیار کے قلعے میں بند کر دیجئے۔

بادشاہ۔ خوب سوچ لو! کیا یہ بات مفید ہو سکتی ہے؟

چندو لال۔ ضرور مفید ہو گی۔ یقیناً مفید ہو گی۔ تیر بہدف علاج ہے۔ روپیہ وصول ہو جائیگا۔ جرمانہ کی پائی پائی وصول ہو جائیگی۔

بادشاہ۔ تو احکام جاری کر دو۔ گرفتار کرا کے گوالیار بھیج دو۔ اور

چوکی پہرے کا انتظام بھی خاطر خواہ کر دو!

چندو لال۔ آج ہی احکام جاری اور پختہ انتظام کر دوں گا پنچھی پنجرے سے ہرگز ہرگز نہیں نکل سکے گا! وہ اب جاتا کہاں ہے۔!

(۳)

گورو ہر گوبند، سکھوں کے چھٹے گورو ہیں۔ ان کے والد کا نام گورو ارجن دیو تھا۔ اور وہ پانچویں گورو کہلائے۔ پہلے گورو بابا نانک ہوئے جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو نیکی کرنے۔ بدی سے بچنے۔ تعصب چھوڑنے اور باہم اتفاق و اتحاد سے رہنے سہنے کی ہدایت کی۔ وہ ایک فقیر مزاج بزرگ تھے۔

۱۵۷۶ء میں (اکبر جب دہلی سے لاہور جا رہا تھا) تو رستے میں گورو رام داس جی سے ملاقات کی۔ اور انہیں نہایت معقول جاگیر موضع سلطان ونڈ اور قصبہ تونگ کے گرد و نواح میں عطا کی اور اس کو گورو جی کے حق میں شامل کر کے سند معافی عنایت کی۔ یہ جاگیر اٹھائیس ہزار بیگہ کی تھی علاوہ ازیں بادشاہ نے زرِ نقد اور جنس کا نذرانہ بھی گورو جی کو پیش کیا۔

گورو نانک دیو جی بابر کے زمانے میں ہوئے۔ اور اس نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ گورو جی کچھ مدت سلطان پور (کپور تھلہ) کے حاکم نواب دولت خاں کے یہاں بطور ملازم رہے۔ وہ مودی خانے کے مہتمم تھے۔ نواب اُن کی بڑی عزت کرتے تھے

گورو صاحب کے تعلقات شہنشاہ اکبر سے نہایت دوستانہ رہے اکبر نے گورو امرداس جی کو جاگیر دی تھی۔ جب پانچویں گورو ارجن دیو

نے لاہور کے ڈبی بازار میں باولی بنانی شروع کی تو لاہور کے نواب حسن خاں اُنے بڑی امداد دی۔ یہ جگہ لاہور میں اب تک موجود اور مشہور ہے۔ بہت سے لوگ اِن گورو جی کے مخالف ہو گئے تھے۔ اُن کا حقیقی بھائی (پرتھی چند سوڈھی) اور بھتیجا مہریان ہی اُن کا دُشمن بن گیا۔ دیوان چندو لال تو گویا اُن کی جان ہی لے کر رہا۔ مگر وہ گورُوجی کی وفات کے بعد بھی اُن کے خاندان کا بھی دُشمن بنا رہا۔ چنانچہ شہنشاہ جہانگیر کو بہکا کہ اُن کے بیٹے گورُو ہرگوبند کو گوالیار کے قلعے میں قید کرا دیا (جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں) جب شہزادہ خسرو نے اپنے باپ جہانگیر سے بغاوت کی۔ تو خسرو پنجاب آکر گورُو ارجن دیو سے مدد کا طالب ہوا۔ اور گورُوجی نے اُسے پانچ ہزار روپے دِئے۔ جہانگیر نے اسی بات سے ناراض ہو کر گورُوجی پر جُرمانہ کیا تھا

(۴)

شہنشاہ جہانگیر۔ اور اُن کے چند مصاحب قلعۂ مُعلّےٰ کے دیوان خاص میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ شاہ جلال الدین بھی تشریف فرما ہیں۔ یہ درگاہ نظام الدین اولیا کے سجادہ نشیں ہیں۔ لاہور کے مشہور با کمال فقیر میاں میر صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔

شہنشاہ۔ رات ہم نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔

جلال الدین۔ حضرت نے کیا دیکھا! ارشاد ہو۔!

شہنشاہ۔ ابن جانب نے ایک بُہت بڑے شیر کو قید میں پڑے دیکھا۔ نہیں معلوم اِس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

میاں میر صاحب۔ شیر سے مُراد، مردِ خُدا یعنی پیر بزرگ ہوتے ہایں

جلال الدین۔ تو یقیناً کوئی بزرگ قید کی تکلیف میں ہیں۔

میاں میر صاحب۔ اوہو! گورو ہرگوبند، گوالیار کے قلعے میں قید ہیں۔ یہ اشارہ انہیں کی طرف ہے۔

جلال الدین۔ شیر خدا کو قید کر دینا، کسی طرح موزوں نہیں

میاں میر۔ اِس خواب کا تعلق ضرور اِسی واقعہ سے ہے۔

بادشاہ۔ کیا وُہ کامل فقیر ہیں۔

جلال الدین۔ بے شک وُہ بزرگ ہیں۔ اور کامِل فقیر۔

بادشاہ۔ مگر کامِل فقیر کی شناخت کیا ہے؟

جلال الدین۔ بے تعصب اور نیک اعمال ہونا۔

بادشاہ۔ مگر وُہ تو ہندو ہے۔

جلال الدین۔ خدا کے ہاں مُسلمان ہندو سب برابر ہیں۔ وہاں اِن باتوں کی پُرسِش نہیں۔ فقیروں کا مذہب کوئی نہیں ہوتا، کسی نے سچ کہا ہے۔

جات پات پوچھے نا کوے
ہر کو بھجے سو ہر کا ہوے

میاں میر۔ گورو ہرگوبند خود نیک اور شریف آدمی ہیں۔ اور نہایت عالی خاندان۔

جلال الدین۔ جہاں پناہ! میری رائے میں اب انہیں آزاد کر دینا چاہیئے بیچارے بڑی مُصیبت جھیل چکے ہیں۔

میاں میر۔ ہاں! حضور اُس نیک مرد کو مُصیبت سے نجات دیجئے وُہ بے گناہ ہے!

بادشاہ۔ کیا واقعی یہی بات ہے
جلال الدین۔ حضرت شک کی گنجائش نہیں
بادشاہ۔ مگر دیوان چند ولال نے تو ہمیں یقین دلایا تھا۔ کہ وہ بڑے فسادی۔ باغی اور ہمارے بدخواہ ہیں۔
میاں میر۔ یہ غلط ہے۔ سراسر غلط ہے۔
جلال الدین۔ بے شک غلط ہے! شہنشاہ اُن کو آزاد کر کے دُعائیں لیجئے۔
بادشاہ۔ بہتر ہے۔ میں احکام جاری کرتا ہوں۔
جلال الدین۔ یہ بڑا نیک کام ہے جلدی کیجئے۔ بات یہ ہے کہ چندولال ان کا خاندانی دشمن ہے۔ اِن کے باپ گورو ارجن دیو کو بھی اسی کم بخت نے تباہ کرایا۔ ورنہ وہ بیچارہ بھی بے قصور تھا۔

(۵)

شہنشاہ جہانگیر۔ نادر شاہ امیر۔ شہزادہ تیمور شاہ۔ جلال الدین سجادہ نشین اور حضرت میاں میر محل میں بیٹھے ہیں۔ جہانگیر سٹک والا قلیان پی رہے ہیں۔
گورو ہرگوبند بھی موجود ہیں۔ انہیں گوالیار کے قلعے سے آزاد کر کے لایا گیا ہے۔ قید کی مصیبتوں نے اُنہیں بہت ہی تنگ کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ اُن کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا ہے۔
بادشاہ۔ گورو صاحب! آپ نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ ہمیں اس بات کا ازحد افسوس ہے! آپ معاف کر دیں۔ ہمیں چند ولال نے بہکایا اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تمہارے والد بھی بے گناہ تھے۔ اور یہ تمام

شرارت چندو لال ہی کی تھی۔

گورو ہرگوبند۔ چندو لال ہمارا خاندانی دشمن ہے۔ اسی نے میرے والد کو تباہ کرایا۔ حضور کا قصور بالکل نہیں۔

بادشاہ۔ آپ کو اور آپ کے والد کو جو تکلیف ہوئی۔ ایں جانب اس کی تلافی کی کوشش کریں گے۔ اور چندو لال کو اس کی فتنہ پردازی کی سخت سزا دی جائیگی —— چنانچہ اس کی تمام جاگیر ضبط کی جائیگی۔ ہم چندو لال کو آپ کے حوالے کر دیں گے۔ اور آپ کو اختیار ہو گا کہ اسے جو دل چاہے سزا دیں ہم اس میں مداخلت نہیں کریں گے۔

گوروجی۔ حضور کے اقبال کو چار چاند لگیں۔

اس کے بعد بادشاہ نے گوروجی کو بہت سے تحفے تحائف اور خلعت عطا کیا۔ تین ہزار روپیہ نقد بھی دیا۔ اور چندو لال کو ان کے حوالے کیا۔

بادشاہ۔ ہم عنقریب کشمیر جانے والے ہیں! گورو صاحب اگر آپ بھی ہمارے ہمراہ چلیں گے تو ہمیں خوشی ہو گی۔

گوروجی۔ جو حضرت کی خوشی وہی فدوی کی خوشی۔ میں ہمرکابی کی سعادت ضرور حاصل کروں گا۔

بادشاہ نے چندو لال کو گوروجی کے حوالے کیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ گوروجی نے بھنگیوں کو بلوا کر حکم دیا کہ اس کے جوتے لگاتے چلو۔ یہ تماشا تمام اہل دہلی نے دیکھا۔ اور چندو لال اس شان سے گوروجی کی قیام گاہ پر آئے۔

(۶)

اب گوروجی۔ ظالم چندو کو ہمراہ لے کر لاہور آ گئے ہیں —— دہلی سے

لاہور تک رستے بھر یہ حال رہا کہ جو شخص بھی گورُو جی کے دیکھنے کو آتا تھا وُہ چندُو لال کے سر پر پانچ جُوتے لگاتا تھا۔ اور چندو لال کو کُتوں کے ساتھ کھانا کھلایا جاتا تھا۔

اب گورُوجی چندو لال کو لاہور میں گلی گلی پھرا رہے ہیں۔ جو شخص رستے میں ملتا ہے۔ چندو لال کے پانچ جُوتے مارتا اور خُوب ہی لعنت ملامت کرتا ہے۔

جب چندو لال، اِسی حال میں گورو تا بھڑ بھونجے کی دُکان کے سامنے پہنچا تو بھڑ بھونجے کو جوش آ گیا۔ چنانچہ اُس نے فوراً جلتا ہُوا گرم گرم ریت کرچھوں میں بھر بھر کر چندو لال کے سر پر ڈالا۔ اور وُہ درد سے چیخنے اور چلانے لگا۔ بھڑ بھونجے نے آہنی کرچھا چندو لال کی کمر میں اس زور سے مارا کہ وُہ تیورا ہو کر گر پڑا۔ اور ایسا گرا کہ دنیا ہی سے اُٹھ گیا۔

چند سال پہلے۔ اِسی چندو لال نے گرم ریت گورُو جی پر ڈلوایا تھا پس اب بھڑ بھونجے نے اُس سے اِسی کا انتقام لیا۔

یہ واقعہ چیت سمت ۱۶۷۵ بکرمی کا ہے۔ یعنی ۱۶۱۸ء کا

(۷)

جہانگیر، گورُو جی کو سیر کشمیر کے واسطے اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور رستے میں پھر پہاڑی راجاؤں سے اِن کو تحفے اور نذرانے دِلوائے بادشاہ وُہ عُمر بھر اُن کی تعظیم و تکریم کرتا رہا۔

جہانگیر کی ماں راجپوتنی تھی۔ جہانگیر کی شادی بھی جودھ پور (مارواڑ) کے رانا مالدیو کی پوتی سے ہُوئی۔ اکبر کی شادی جے پور کے راجہ بہاری مل کی بیٹی سے ہُوئی تھی۔ جہانگیر کی ایک شادی جے پور کے خاندان کی ایک

راجپوت لڑکی سے بھی ہوئی تھی۔

(۸)

قلعۂ دہلی کے اندر شاہ جہاں دیوان خاص میں بیٹھا ہے۔ اور کئی امیر وزیر بھی حاضر ہیں۔

شاہجہان۔ گورو ہرگوبند کے چچازاد بھائی مہربان کی عرضی آئی ہے۔ وُہ گدی اور جاگیر کا دعویٰ کرتا ہے۔

وزیر خاں۔ اُس کا دعویٰ غلط اور بے جا ہے۔ باپ کا وارث بیٹا ہوتا ہے۔ پس گورو ارجن دیو جی کی جاگیر کے مالک صرف اُن کے بیٹے ہی ہو سکتے ہیں۔

شاہجہان۔ چندو لال کے بیٹے کی بھی عرضی آئی ہے۔ وُہ اپنے باپ کے خُون بہا کا طالب ہے۔

وزیر خاں۔ یہ بھی مہربان کی شرارت ہے۔ چندو لال نے اپنے کئے کی سزا پائی۔ حضرت کو بھی معلوم ہے کہ شہنشاہ خلد مکان نے چندو لال کے گناہوں کی پاداش میں اُسے گورُوجی کے سپرد کیا تھا۔ اور اتفاقیہ لاہور کے ایک بھڑبھونجے نے اُس پر جلتی راکھ ڈالی۔ تو وُہ مرگیا۔ پھر اس میں گورُوجی کا کیا قصور ہے۔ پس وُہ بالکل بے گناہ ہیں۔ بلکہ مظلوم۔ کیونکہ چندو لال نے ان کو اور اُن کے والد کو بے حد ستایا ہے۔

(۹)

شاہجہاں نے گورو گوبند جی کے خلاف پنجاب میں فوجیں بھیجیں۔ اور گورُوجی بھی اپنا لشکر لے کر مقابلہ کو نکلے۔ گورُوجی کی فوج میں موہن لال بدھی چند۔ پرسرام اور نہال چند کے علاوہ میر مومن خاں اور

سردار محمد خاں۔ جمال خاں۔ رستم خاں۔ عالم خاں وغیرہ
مسلمان فوجی افسر بھی تھے جنہوں نے گوروجی کے ہمرکاب ہو کر شاہجہان
کی فوجوں سے مقابلہ کیا۔ اور نہایت شجاعت اور جاں بازی دکھائی
اس مقابلے میں شاہجہانی فوج کے سرکردہ افسر بہرام خاں
بلونڈ خاں۔ علی بخش۔ کریم بخش۔ جالندھر کا ناظم اور اُس کے بیٹے
کریم بخش۔ نبی بخش۔ نیز اُس کا ایک بہادر سردار حمید الدین بھی
میدان میں کام آیا۔

یہ جنگ دراصل۔ چندو لال کے بیٹے، گوروجی کے بھتیجے مہربان
اور قاضی رستم خاں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ انہیں لوگوں نے شاہجہان
کو گوروجی کے خلاف بھڑکایا تھا۔

(۱۰)

شاہ جہان۔ پنجاب کو اور لشکر بھیجنے کا انتظام کرو۔
وزیر خاں۔ حضرت جانے دیجئے! گورو تو فقیر منش آدمی ہیں۔ لوگ
دشمنی سے اُن کی شکایت کرتے ہیں۔ اور چونکہ وُہ بہادر ہیں۔ اس لئے جب
اِن کو مجبور کیا جاتا ہے تو وہ تلوار لے کر میدان میں آجاتے ہیں۔ حضرت
خلد مکانی (شاہ جہانگیر) نے انہیں جاگیر عطا کی تھی۔ اُس میں اُنہوں
نے گاؤں آباد کیا۔ لوگ خواہ مخواہ اُن کے مخالف ہو گئے اور اُن کے
خلاف عرضیاں دربار میں بھیجیں، گوروجی تو امن پسند، بے شر۔ اور
فقیر مزاج آدمی ہیں۔ لیکن مہربان اور چندو لال کا بیٹا اُن کو خواہ مخواہ
چھیڑتے اور ستاتے ہیں۔
شاہ جہاں۔ پھر کیا کیا جائے؟ تمہاری رائے کیا ہے۔

وزیر۔ اب پنجاب کو فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ میں گورُوجی سے مراسلات کر کے معاملہ کا فیصلہ کر لوں گا۔ حضور بے فکر رہیں۔

(۱۱)

وزیر خاں نے یہ بات یہیں ختم کر دی۔ وُہ گورُوجی کا دِلی خیر اندیش تھا۔ وزیر خاں گورو گوبندجی کا بھی بڑا مداح۔ اور مدد گار رہا اور اُس نے گورو ہرگوبند کی بھی ہر مرحلے میں مدد کی۔

یہ وُہی وزیر خاں ہے۔ جس کی شاندار مسجد لاہور میں دہلی دروازے کے اندر آج بھی موجُود ہے

(۱۲)

بھگوان داس کھتری، دیوان چندو لال کا رشتہ دار تھا۔ اِس لِئے وُہ بھی گورُوجی کا مخالف ہو گیا۔ وُہ اُس علاقہ کا مال گزار تھا۔ مجبُوراً گورُوجی کو اُس سے جنگ کرنی پڑی۔ نتیجہ یہ نِکلا کہ بھگوان داس اور اُس کے مددگار مارے گئے۔ گورُوجی نے اُس کی حویلی مسمار کرا دی۔

اِس وقت گورُوجی کے ایک مُسلمان سردار پیندے خاں نے اُن سے درخواست کی کہ وُہ اِس جگہ ایک مسجد اور مسلمانوں کے واسطے ایک سرا تعمیر کرا دیں۔ گورُوجی نے فوراً تعمیر کا حکم دیا۔

چنانچہ وُہ سرا اور مسجد آج بھی ہرگوبند پُور (متصل بٹالہ) ضلع گورداسپور میں موجُود ہیں۔ اور گورُوجی کی فیاضی نیز بے تعصبی کا اعلان کر رہی ہیں۔

جب کبھی گورُوجی اور مُسلمان بادشاہوں کے درمیان جنگ ہوئی تو وہ مذہبی جنگ نہیں تھی۔ بلکہ اِس کی بُنیاد یا غلط فہمی پر تھی۔ یا ملک

# ۲۹- انصاف

## مسلمان نے ہندو کی مدد کی

(۱)

کشمیر کے نائب صوبہ میر احمد خاں۔ سری نگر کے محل فلک نما میں جلوہ افزا ہیں۔ مشیر و مصاحب بھی حاضر ہیں۔ پنڈت امرناتھ رو رو کر حاکم سے فریاد کر رہے ہیں۔

پنڈت امرناتھ۔ حضور! اب تو محتوی خاں کے مظالم حد سے گزر گئے ہیں۔ کمزور اور مظلوم اُس سے نالاں ہیں۔ اُس کے ساتھ ہزاروں گنڈے لفنگے اور اوباش ہیں۔ جو شریفوں کو تنگ کر رہے ہیں اب وہ عام طور پر مذہب کا نام لے کر ہم ہندوؤں کو تباہ کر رہے ہیں۔

میر احمد خاں۔ یہ تو بڑے اندھیر کی بات ہے۔

پنڈت۔ حضور! کل ہی کی بات سنئے۔ میں نے برہمنوں کی دعوت کی تھی۔ چنانچہ میں اُن کو باغ میں کھانا کھلا رہا تھا۔ کہ وہ لوگ دفعتاً آپڑے۔ رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ کھانا خراب کر دیا

سب کو زدوکوب کیا۔ پھر تمام برتن اور ساز وسامان لوٹ کر لے گئے۔ جناب عالی! ہماری جان، اور مال سخت خطرے میں ہے پس اگر حضور توجہ نہیں فرمائیں گے تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ آپ بڑے انصاف پسند ہیں۔ اور آپ ہندو مسلم رعایا کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے ہم آپ سے انصاف چاہتے ہیں اور مدد کی درخواست کرتے ہیں۔

میر احمد خاں۔ پنڈت جی! آپ اطمینان رکھیں۔ ہم ان لفنگوں کا انتظام جلد ہی کرینگے۔ آپ بے فکر رہیں۔

پنڈت۔ شکریہ! آپ کی انصاف پسندی اور رعایا نوازی سے ہمیں یہی توقع ہے۔

یہ کہکر پنڈت ادب سے سلام کر کے چلے گئے

میر احمدخاں۔ یہ تو سخت ظلم ہے۔ اس قدر اندھیر۔

ایک مصاحب محتوی بڑا لفنگا ہے اور وہ بہت سے بے فکروں کو ساتھ لے کر لوٹ مار کر رہا ہے۔ وہ جب بھی موقع دیکھتا ہے۔ ہندوؤں پر آپڑتا ہے اور لوٹ کر لے جاتا ہے۔

دوسرا۔ پنڈت امرناتھ بڑا شریف اور امیر آدمی ہے بیاہوں کا کام بھی کرتا ہے۔ پس حضور اس کی مدد کریں۔

میر احمد خاں۔ ہاں شہزادے اعلیٰ کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے ہم محتوی خاں کو ایسی سخت سزا دیں گے کہ وہ عمر بھر یاد کیا کرے گا!

## (۲)

**نائب صوبہ کشمیر میر احمد خان اور محتوی خان کے**

درمیان کئی روز سے گویا باقاعدہ جنگ ہو رہی ہے۔ محتوی خان کا اصل نام عبدالنبی ہے۔ اُس نے بہت سے بے فکرے اور اَوباش اپنے گرد جمع کر کے خاصی جمعیت بنا لی اور لوٹ مار شروع کر دی ہے۔ اور وُہ مذہب کا نام لے کر خصوصاً ہندوؤں اور کشمیری پنڈتوں کو ستا رہا ہے۔

جب پنڈت امرناتھ نے نائب صوبے کی خدمت میں حاضر ہو کر عبدالنبی کی شکائت کی تو اِس کا علم اُسے بھی ہو گیا جس سے وُہ اور بھی جل گیا۔ چنانچہ اس نے جوش میں آ کر پنڈت امرناتھ کی حویلی پر حملہ کر دیا۔ بہت سا قیمتی مال و اسباب اور زرِ نقد لوٹ کر لے گیا۔ اور بہت آدمیوں کو بھی قتل کر گیا اُس نے بھی زیادہ یہ کیا کہ نائب صوبے کے محل پر بھی حملہ کر دیا۔ حالانکہ وُہ ابھی سوچ ہی رہے تھے۔ یعنی انہوں نے عبدالنبی کے خلاف تاحال کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ مگر عبدالنبی نے نائب صوبہ کا محل رات کو جا گھیرا۔ اسلحہ بند اَوباش ایک رات دن محاصرہ کئے رہے۔ حتیٰ کہ نائب صوبہ متواتر چوبیس گھنٹے تک گھر سے باہر نہیں نکل سکے۔ گویا محصور کر لئے گئے۔

آخر باقاعدہ جنگ کرنا پڑی۔ چنانچہ کئی روز سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ فریقین اینٹوں پتھروں، تلوار دن۔ نیزوں اور

بندوقوں سے ایک دُوسرے پر حملہ کر رہے ہیں۔ اور بہت سے آدمیوں کی قیمتی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔

عبدالنبی کے رفیقوں نے دو پُلوں کو آگ لگا دی چنانچہ وُہ جل کر خاک سیاہ ہوگئے اور وہ خاک بھی دریا میں بہ گئی تو پُلوں کا نشان تک باقی نہیں رہا۔

پُلوں کے ساتھ کے مکان بھی نذرِ آتش ہُوئے۔ اور اب گویا نائب صوبہ بالکل محصُور اور بے دست و پا ہوگئے تھے اور اس کارروائی سے باغیوں کا مقصد بھی یہی تھا۔

اس مقابلے میں نائب صوبہ کا بھانجا سید ولی اور ذوالفقار بیگ نائب چبوترہ کوتوالی۔ سخت مجروح اور بالآخر تہ تیغ ہوئے اور اُن کے بہت سے حامی اور رفیق بھی ہندوؤں کی حمایت و حفاظت کرتے ہُوئے کٹ مرے۔

اب نائب صُوبہ شدید مصیبت میں مُبتلا ہے۔ چنانچہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا معاملہ ہے پیچھے ہٹے تو کیونکہ دشمن نے پل ہی جلا ڈالے۔ آگے بڑھتا ہے تو خونخوار دُشمن خونریزی پر کمر کسے شمشیر بکف کھڑے ہیں۔

مقابل سے پتھروں اور گولیوں کا مینہ متواتر برس رہا ہے کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی۔ عجب عالمِ مجبُوری ہے۔

(۳)

کشمیر کے قاضی، میر احمد خاں نائب صوبہ۔ اور عبدالنبی (عرف محتوی خاں) اور چند دیگر مُعزز آدمی ایک

محل میں بیٹھے ہوئے گفت و شنید کر رہے ہیں۔
مصالحت کی گفتگو ہو رہی ہے۔

محتوی خاں۔ اگر آپ ہماری شرائط تسلیم کر لیں تو باہمی مصالحت ابھی ہو سکتی ہے۔

نائب صوبہ۔ تو اپنی شرطیں بیان کر دیجئے

محتوی خاں۔ یہاں کے ہندوؤں کو عمدہ لباس پہننے کی ممانعت ہو گی۔ وہ پگڑی نہیں باندھ سکیں گے نہ اُنہیں گھوڑوں پر سوار ہونے دیا جائیگا۔ نہ وہ باغوں اور سبزہ زاروں کی سیر کر سکیں گے اور نہ اسلحہ باندھیں گے اور۔

قاضی۔ اور کیا! وہ بھی کہہ دیجئے۔

محتوی خاں وہ ماتھے پر قشقہ بھی نہیں لگا سکیں گے اور نہ اُنہیں تعلیم پانے کی اجازت ہو گی۔ بس اِنہیں شرائط پر آپ کی اور ہماری مصالحت ہو سکتی ہے۔

نائب صوبہ۔ یہ شرائط نہایت سخت ہیں اور یہ بیچارے ہندوؤں پر سخت ظلم ہے کیوں قاضی صاحب!

قاضی۔ بے شک! سخت جور و ستم ہے۔ اسلام اِس کا ہرگز روادار نہیں۔ یہ سلوک تو انسانیت کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اِن شرائط کے تسلیم کرنے کے معنی تو یہ ہونگے کہ گویا ہندو انسانیت کے ابتدائی حقوق سے بھی محروم کر دیئے جائیں!

نائب صوبہ۔ بے شک! ان میں سے ایک بھی بات قابل

تسلیم نہیں ہے۔

محتوی خاں کا ایک رفیق۔ تو پھر ہماری آپ کی صُلح ہو چکی۔ آپ تو ہندو قوم کی سراسر طرفداری کرتے ہیں۔

محتوی خاں۔ میں ان میں سے ایک شرط بھی کم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

اُس کا دوست۔ ہم فاتح ہیں۔ اپنی ہر شرط تسلیم کرانا ہمارا حق ہے۔

قاضی۔ بھائی جنگ سے مصالحت احسن ہے۔ خونریزی نفرت انگیز فعل ہے۔ انسان کی جان اور خون نہایت قیمتی ہے اس لئے کُشت و خون سخت گناہ ہے۔ جس کا کفارہ محال ہے۔ پس آپ لوگ جنگ کی حالت ختم کیجئے۔ اور لوگوں کو تباہی سے بچا کر امن و امان کا موقع دیجئے۔

۴۴

اِس وقت اہل کشمیر کی قسمتوں کا مالک عبد النبی عُرف محتوی خاں بنا ہوا ہے۔ اب وہ نائب ہے۔ میر احمد خاں معزول ہو چکے ہیں۔ اب عبد النبی نے اپنا نام دیندار خاں رکھا ہے۔

گفتگوے مصالحت سے اگلے روز محتوی خاں نے اپنے حامیوں اور سری نگر کے مسلمانوں کو جمع کیا تو گویا اب پندرہ بیس ہزار مسلمان اس کے مددگار تھے۔

محتوی خاں نے اعلان کیا کہ آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ میر احمد خاں ہندوؤں کی طرفداری اعلانیہ کرتا ہے۔ اور اُس

نے کشمیری پنڈت ساہوکار کو پناہ دی ہے۔ لہٰذا میں اُس کو معزول کرتا ہوں۔

اُس کے خوشامدی رفیقوں اور کمزور دل مسلمانوں نے اُس کی تائید کی ــــــ اس کے بعد محتوی خاں بولا ــــــ اب آپ لوگوں کو اختیار ہے کہ یہاں کا حاکم جسے چاہیں اُسے بنائیں۔

ایک خوشامدی۔ بھلا آپ سے زیادہ موزوں آدمی اس خدمت کے واسطے اور کون ہو سکتا ہے!

ایک شخص نے اس کی تائید کی۔

محتوی خاں نے اِن لوگوں کو پہلے ہی سکھا پڑھا دیا تھا۔

الغرض اب کشمیر میں دیندار خاں کا طوطی بول رہا ہے۔ اور ہندو سخت تنگ آ گئے ہیں۔

(۵)

اس وقت کشمیر کا نائب صوبہ سردار مومن خاں نجم ثانی ہے جسے شاہ دہلی محمد شاہ نے کشمیر کا حاکم مقرر کر کے بھیجا ہے۔

میر احمد خاں کی معزولی کے بعد محتوی خاں صرف پانچ ماہ حکومت کر سکا۔ جب کشمیر کے اندوہناک حالات کی اطلاع شاہ دہلی کو پہنچی تو انہوں نے مومن خاں کو خاص ہدایات دے کر اُدھر بھیجا۔

محتوی خاں ۱۲ ذیقعدہ ۱۱۳۲ھ ہجری کو قتل ہُوا۔

مومن خاں نے شاہ دہلی کے فرمان سے کشمیر کے مظلوم ہندوؤں کی دلجوئی کی۔ اُن کے نقصانات کی تلافی کی ظالموں کو سخت

سے سخت سزائیں دیں فسادیوں کو تباہ کیا۔ اور ملک میں از سرِ نو مستقل امن و امان قائم کیا۔

اب ہندوؤں سے وُہی سلوک روا رکھا گیا جو مسلمانوں سے قانون کی نظر میں ہندو مسلمان اور ہر مذہب و ملت کے لوگ یکساں سمجھے گئے۔ ہندوؤں کی تمام مشکلات رفع کی گئیں اور کوئی ایسی بات روا نہیں رکھی گئی جو ہندوؤں کی دل آزاری یا توہین کا باعث ہو سکے۔

مومن خاں۔ مدتوں کشمیر میں انصاف اور رواداری سے حکومت کرتے رہے اور ہندو اُن کے دل سے وفادار رہے۔

یہ واقعات۔ محمد شاہ، شاہ دہلی کے ابتدائی عہد کے ہیں۔



# ۳۰۔ ایثار

## ایک ہندو نے اپنے مسلم آقا کی مقاصد پر جان قربان کر دی

راجہ دھیان سنگھ کی حویلی میں دوابہ بست جالندھر کے مدار المہام لالہ بشمبر دیال سردار ہربنس سنگھ سے باتیں کر رہے ہیں۔

بشمبر دیال۔ میں اپنے معزز آقا میرزا جعفر بیگ نواب جالندھر کی طرف سے آپ کو پیغام لایا ہوں۔ براہ کرم توجہ سے سُن لیجیے۔

ہربنس سنگھ۔ کہئے آپ کیا پیغام لائے ہیں۔

بشمبر دیال۔ افسوس ہے کہ آپ لوگ معاہدہ پر قائم نہیں رہے۔ آپ نے گزشتہ تعلقات اور دوستی نظر انداز کر دی!

ہربنس سنگھ۔ کیسے!

بشمبر دیال۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سکھ دوآبے میں بھی غارت گری کر رہے ہیں اور یہ امر گزشتہ تعلقات اور معاہدہ کے بالکل خلاف ہے۔

ہربنس سنگھ۔ (مسکرا کر) ہاں!
بشمبر دیال۔ تو اب یہ سلسلہ بند ہونا چاہیئے۔ ورنہ.....
ہربنس سنگھ۔ ورنہ کیا! وہ بھی کہہ دیجئے خاموش کیوں ہو گئے۔!
بشمبر دیال۔ ہمارے نواب صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ تم ہمارے ملک میں دست درازی کرنے سے باز آجاؤ۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔!
ہربنس سنگھ۔ کیا اچھا نہ ہو گا! ہمارے ہاتھ میں بھی تلوار رہے کوئی چوڑیاں نہیں پہنی ہوئی ہیں۔ اگر وقت آیا تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے! تو آپ نے ہمیں سمجھا کیا ہے! سکھ شاہ دہلی کی پرواہ نہیں کرتے۔ مرہٹہ حاکم کو بھی نظر میں نہیں لاتے تو پھر بھلا تمہارے نواب کی کیا ہستی رہے!
بشمبر دیال۔ سردار صاحب زیادہ جوش میں نہ آئیے جنگ سے صلح بہر حال اچھی ہے! معاہدہ شکنی قابل ملامت ہے اور بے ایمانی ہے۔ پس آپ لوگوں کو بڑے نواب صاحب مرحوم مرزا آدینہ بیگ کی مہربانیاں فراموش نہیں کر دینی چاہئیں۔
ہربنس سنگھ۔ بے شک معاہدہ شکنی بری۔ بے ایمانی ہے لیکن عہد معاہدوں کے پابند۔ دونو ہی فریق ہوتے ہیں۔ اگر ایک فریق معاہدہ توڑ دے تو پھر دوسرے فریق کو بھی یہ حق حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی شکائیت نہیں کی جا سکتی۔
بشمبر دیال۔ یہ صحیح ہے لیکن آپ اس وقت اس بات کا

ذکر کیوں کر رہے ہیں

ہربنس سنگھ۔ خوب! آپ ابھی تک نہیں سمجھے! اچھا سنئے!
یہ امر واقعہ ہے کہ نواب آدینہ بیگ کو جالندھر کی حکومت سکھوں ہی نے دلائی ورنہ ناصر خاں اس سے چھین ہی چکا تھا اور پھر سکھ نواب کو ہمیشہ امداد دیتے رہے اور کبھی جالندھر کا رُخ نہیں کیا۔

بشمبر دیال۔ یہ سب صحیح ہے۔

ہربنس سنگھ۔ یہ بات بھی کچھ چھپی ہوئی نہیں ہے کہ نواب آدینہ بیگ اپنی آمدنی کا معقول حصّہ ہمیں دیتا تھا اور ہم بھی اُس کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ مگر جب سے اُس کی آنکھیں بند ہوئی ہیں۔ نواب جعفر بیگ نے ہمیں ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں بھیجی۔ گویا معاہدہ اُسی نے توڑا۔ جب یہ ہُوا تو سکھوں کو بھی حق ہے کہ جالندھر کے علاقے میں مداخلت کریں۔ انصاف کی رُو سے معاہدہ شکنی کا الزام ہم پر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ذمہ دار تمہارا جوان اور ناتجربہ کار نواب جعفر بیگ رہے۔

بشمبر دیال۔ (کچھ سوچ کر) بس آپ کا جواب یہی ہے؟ یا کچھ اور بھی کہنا ہے۔

ہربنس سنگھ۔ صرف یہی اور کہنا ہے کہ ہم صُلح کرنے والوں کے ساتھ صُلح کریں گے اور جنگ کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کو تیار ہیں۔ آپ جا کر یہی اپنے آقا سے کہدیں۔

(۲)

بٹالہ (ضلع گورداسپور) سے کوئی پانچ میل کے فاصلہ پر شمال

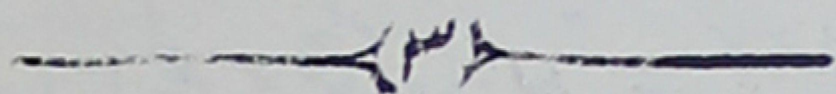
کی طرف اَستادہ ہیں اور فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔

بات یہ ہے کہ جالندھر کے نواب مرزا جعفر بیگ کے مدارالمہام لالہ بشمبر دیال نے سکھوں پر چڑھائی کر دی ہے۔

بشمبر دیال نے بہت کوشش کی کہ سکھ جالندھر کی طرف نہ آئیں مگر وُہ اِس علاقے میں برابر بڑھتے چلے گئے۔ لہٰذا اب بشمبر دیال نے سکھوں پر چڑھائی کی ہے۔

سکھ فوجیں بھی چلی آ رہی ہیں۔ اور کئی سکھ سردار مِل جُل کر بشمبر دیال سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

خونریز جنگ ہُوئی۔ دونوں طرف کے بہت سے بہادر میدان میں کام آئے۔ زمین خون سے لالہ زار بن گئی۔ کُشتوں کے پُشتے لگ گئے۔ بشمبر دیال سرِ میدان قتل ہُوا۔ یعنی اپنے آقا کے مقاصد پر قُربان ہو گیا۔ اور سکھوں نے بشمبر دیال کے تمام مال و اسباب اور خزانہ پر قبضہ کر لیا۔



ہندو بشمبر دیال نے اپنے مُسلمان آقا نواب جعفر بیگ کے واسطے میدان میں جان دی۔ اس جنگ میں بھی مذہب کا دخل بالکل نہیں تھا۔ کیونکہ مذہب کے لحاظ سے سکھ ہندوؤں سے زیادہ قریب ہیں۔ سکھ کہلانے والے لوگ پہلے ہندو ہی تھے۔ یا ہندوؤں ہی سے نکلے۔ سکھوں کا علیحدہ فرقہ مدت کے بعد بنا۔ نسل وُہی ہے۔

اب بھی سکھوں اور ہندوؤں کے درمیان رشتہ

# ۳۱۔ صاحب دیوی کی اِمداد

## سکھوں اور مسلمانوں کا تعاون

۔۔۔ ۱ ۔۔۔

شاہ دہلی فرخ سیر قلعہ معلٰے کے ایک محل میں ایک عمر رسیدہ عورت سے گفتگو کر رہے ہیں اور وہ عورت لباس سے سکھ معلوم ہوتی ہے۔ یہ گورو گوبند جی کی بیوہ ہیں اور ان کا نام صاحب دیوی ہے۔

بادشاہ۔ اماں آپ دیکھ رہی ہیں کہ نرائن داس پنجاب میں کیسی بدامنی پیدا کر رہا ہے۔ وہ شہر کے شہر لوٹ رہا اور گاؤں کے گاؤں جلا پھونک رہا ہے۔ اس نے ہمارے کئی فوجی افسر قتل کر دیئے اور اسی کی شہ پر تو سکھ گویا جمنا سے اٹک تک ملک دبا بیٹھے ہیں۔

صاحب دیوی۔ ہاں یہ تمام باتیں سچ ہیں۔

بادشاہ۔ ہم آپ کی امداد چاہتے ہیں۔ آپ کے نیک دل شوہر

نے ایک نازک موقع پر والد صاحب کی امداد کی تھی۔ بس اِس وقت آپ ہماری مدد کریں۔

صاحب دیوی۔ فرمائیے! میں کس طریق سے بادشاہ کی خدمت کر سکتی ہوں۔

بادشاہ۔ آپ اپنا اثر اور اپنی طاقت استعمال کر کے بندا بیراگی کو شرارت سے باز رکھیں۔ میں جانتا ہوں کہ بندہ بیراگی اور تمام سکھ آپ کے حکم کے بندے ہیں۔ آپ اُن سب کو جس رستے چاہیں چلا سکتی ہیں۔ پس اُن کو غارت گری اور کشت و خون سے روکئے! بے گناہوں کی خونریزی بڑا پاپ ہے۔

صاحب دیوی۔ (سوچ کر) بہت اچھا میں کوشش کروں گی۔

بادشاہ۔ آپ کی کوشش ضرور پھل لائے گی۔ ہم سکھوں کو روپیہ جائداد سے کافی مدد دینے کے واسطے تیار ہیں۔ ہمارے خزانے کا منہ اُن کے واسطے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ صرف اُن کا امن پسند ہو جانا شرط ہے۔

صاحب دیوی۔ بہت بہتر میں کوشش کروں گی۔

(۲)

بی بی صاحب دیوی اپنے مکان میں بیٹھی ہوئیں ایک خط نہایت غور سے پڑھ رہی ہیں۔ یہ خط نرائن داس عرف بندا بیراگی کا ہے۔ انہوں نے بندا کو متواتر تین خط بھیجے تو اب اُس نے جواب بھیجا ہے۔

صاحب دیوی نے بندا کو لکھا تھا۔ کہ تم شاہ فرّخ سیر کے مطیع اور وفادار بن جاؤ۔ اور قتل و غارت گری سے باز آجاؤ۔ میں تمہیں بادشاہ سے وسیع جاگیر دلاؤں گی۔!

دیوی جی نے اپنے تیسرے آخری خط میں بندا کو لکھا۔ "تم ہمارا کہنا مانو۔ اور غارت گری سے باز آجاؤ —— اور اگر اپنی اس ضد سے باز نہیں آ سکتے تو ہماری سکھی سے انکار کر دو"

اب بندا کا جواب سُنئے!۔

"اماں جی آپ کے تینوں خط ملے۔ حال معلوم ہُوا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں بیراگی فقیر ہوں اور گورو گوبند سنگھ جی سے میری صرف مُلاقات یا یوں سمجھو کہ دوستی تھی۔ یعنی میں اُن کا چیلا اور آپ کا سِکھ نہیں ہوں اس واسطے آپ کے حُکم کی تعمیل پر بھی مجبور نہیں۔ میں صاف صاف کہتا ہُوں کہ میں شاہ دہلی کی اطاعت کسی صورت میں بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اور جائیداد کا بھوکا نہیں ہوں۔ میں تو بیراگی اور فقیر ہوں۔ رُوکھی سُوکھی روٹی کھا کر بھی گزارا کر لیتا ہُوں۔ پس آپ مجھ سے اور کچھ اُمید نہ رکھیں۔!

صاحب دیوی اُس کا خط پڑھ کر بولیں۔ یہ جوان بڑا ضدی ہے۔ یُوں باز نہیں آئے گا۔ اور تباہ ہو کر رہے گا۔! یہ موقع اُس کے واسطے اچھا تھا —— خیر اُس نے سِکھ ہونے سے انکار کیا ہے۔ تو میں اُسے اس کا مزہ ضرور چکھاؤں گی۔

---

امرتسر میں "دربار صاحب" کے اندر کئی ہزار سِکھ جمع ہیں —— یہ

لوگ اماں صاحب دیوی کے حکم نامے پر غور کرنے کے واسطے آئے ہیں
ایک بوڑھے سکھ نے اُن کا پروانہ بلند آواز سے پڑھا۔
"اے پنتھ خالصہ! تم میرے لخت جگر ہو۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ میرے اس حکم نامے کے پہنچتے ہی نرائن داس بندا بیراگی رفاقت چھوڑ دو۔ اُس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو۔ میں اُسے بد دُعا دیتی ہوں۔ وہ جلد تباہ ہو جائیگا۔ اُس کم بخت نے سکھ ہونے ہی سے انکار کر دیا ہے"
اس کے بعد وہ بولا ——— سکھ بھائیو! تم بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے۔
ایک جوان۔ میرے دل میں ماتاجی کی بڑی عزت ہے۔ گورو گوبند سنگھ جی کے بعد وُہی ہماری گورو ہیں۔ مگر بندا کا ساتھ چھوڑنا جواں مردی کے خلاف ہے۔ اُس نے کیسی کیسی جان بازیاں دکھائی ہیں اور ہمارے واسطے اپنی جان کیسے کیسے خطرات میں ڈالی ہے اُسے کسی قسم کا لالچ نہیں وہ تو فقیر اور بیراگی ہے۔ سادھو ہے۔
ایک بوڑھا سکھ۔ اس وقت ماتاجی ہماری گورو ہیں۔ ہمیں اُن کا ہر حکم آنکھیں بند کر کے ماننا چاہیئے۔ یہی ہمارا دھرم ہے۔ جو اس حکم سے انحراف کرے گا۔ ہم اُسے برادری سے خارج کر دیں گے اور اُسے سکھ ہرگز نہیں سمجھیں گے۔
بہت سے لوگ۔ بے شک! بے شک
ایک دوسرا نوجوان۔ ہم بندا کا ساتھ دینگے
بوڑھا۔ تو تم اپنے آپ کو پنتھ سے خارج سمجھو

جوان۔ ہمیں برادری سے نکالنے والا کون ہے
دوسرا۔ پنتھ سے خارج کرنا۔ بے معنی سی بات ہے۔
تیسرا۔ یار بات تو سچ ہے۔

(۴)

فرخ سیر۔ شاہ دہلی کا ایلچی احمد رضا "دربار صاحب" امرتسر میں موجود ہے۔ اور بہت سے سِکھ یہاں جمع ہیں۔ یہ تت خالصہ ہیں اس وقت سکھوں کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں۔ ایک وہ جماعت ہے جو بندا کی رفاقت کا دم بھرتی ہے۔ اور اب ان سِکھوں کو بندی سِکھ کہتے ہیں۔
دوسرا گروہ وُہ ہے جو ماتا صاحب دیوی کو اپنا گورو سمجھتا اور ان کے حکم تعمیل میں بادشاہ کا مطیع اور فرماں بردار بن گیا ہے۔ اس جماعت کے لوگ تت خالصہ کہلاتے ہیں۔
یہ دونو جماعتیں ایک دوسرے سے علیحدہ، بلکہ باہم مخالف اور دشمن ہیں۔
شاہی ایلچی۔ تحفے۔ تحائف۔ خلعت اور شاہی فرمان لے کر آیا ہے۔
حاضرین کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ بابا کاہن سنگھ میری سنگھ اور فتح سنگھ وغیرہ تمام بڑے بڑے سکھ سردار موجود ہیں۔
شاہی ایلچی بولا —— بہادر اور شریف سکھو! تمہارا عریضہ ماتا صاحب دیوی کے ذریعہ بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش

ہو چکا ہے بشہنشاہ نے خوشنودی مزاج کا اظہار فرمایا ہے۔اور فرمان جاری کر دیا ہے۔کہ آپ لوگوں کو انعام و اکرام۔تحفے اور خلعت عطا کئے جائیں جو میں لے کر یہاں آیا ہوں۔اب آپ لوگوں کو گزارے کے واسطے معقول جاگیریں بھی عطا کی جائیں گی۔

حاضرین۔بادشاہ زندہ باد۔

ایلچی۔آپ میں سے جو اصحاب شاہی ملازمت کرنا چاہیں اُنہیں معقول تنخواہیں دی جائیں گی۔اور آپ کو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ بندا کی رفاقت چھوڑ دیں بشہنشاہ کے وفادار رہیں۔اور ضرورت کے وقت امداد دیں۔

ایک سِکھ۔ہم نے بندا کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔اور بادشاہ سلامت کے ہمیشہ وفادار رہیں گے۔

ایلچی۔شاباش !بہادر شاباش!

اب شاہی ایلچی نے سِکھ سرداروں کو اُن کی حیثیت اور رُتبہ کے موافق انعام اور تحفے دیئے بعض کو شاہی خلعت پہنا ئے۔اور بعض کو جاگیریں عطا کیں۔

جن پانسو سِکھوں نے شاہی ملازمت کی درخواست کی اُن کی عرضی منظور ہُوئی۔چنانچہ وہ ناظم لاہور کے ماتحت نوکر ہُوئے اور ایک روپیہ یومیہ اُن کی تنخواہ مقرر ہُوئی بابا کاہن سنگھ۔میری سنگھ اور فتح سنگھ بھی داخل ملازمت ہُوئے۔

اِس کے بعد شاہی ایلچی نے حکم شاہی سُنایا کہ ماتا صاحب دیوی اور اُن کے خاندان کو پانچ ہزار ماہوار نقد وظیفہ ملے گا۔علاوہ ازیں

آج سے پرگنہ چھپال اُن کی جاگیر ہو گی۔

یہ علاقہ شہنشاہ اکبر کے زمانے سے گورو صاحبان کے نام وقف اور معاف تھا۔ مگر درمیان میں بدامنی کی وجہ سے شاہ دہلی نے ضبط کر لیا تھا۔ بہر حال اب وہ بحال ہُوا۔ اور حقدار کو حق مل گیا۔

اب شاہی ایلچی کے میر منشی نے ایک مسوّدہ تیار کیا۔ جس کے مضمون کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) سِکھ کسی شاہی علاقے میں بدامنی اور فساد نہیں پھیلائینگے

(۲) وُہ بندا کی امداد کسی رنگ میں نہیں کریں گے۔

(۳) اگر کوئی دُشمن پنجاب پر حملہ کرے گا تو سِکھ پنجاب کے صوبیدار کے ماتحت غنیم سے مقابلہ کریں گے۔

حاضرین نے نہایت خوشی سے اس دستاویز پر دستخط کر دیئے اور جو ناخواندہ تھے انہوں نے اپنے اپنے انگوٹھوں کے نشان لگا دیئے۔

اِس کے بعد حاضرین نے ایک ساتھ آواز لگائی — بادشاہ زندہ باد۔

(۵)

اِس زمانے میں سلطنت مغلیہ کو زوال آگیا تھا۔ چنانچہ صوبیدار خود مختار ہوتے جا رہے ہے اور نئی نئی ریاستیں قائم ہو رہی تھیں۔

بندا بیراگی کے قبضے میں بڑی فوج تھی۔ اور یہ سب سِکھ تھے بندا کا مرکز سرہند میں تھا۔ بادشاہ بہادر شاہ اُس کی سرکوبی کے واسطے خود پنجاب پر حملہ آور ہُوا تو اُس وقت سِکھ سرمور کی

پہاڑیوں کی طرف پسپا ہو گئے۔
جب فرخ سیر ۱۷۱۳ء میں تخت دہلی پر بیٹھا تو اُس نے مذکورہ بالا طریق سے سکھوں کے ساتھ رابطۂ اتحاد قائم کیا۔



# ۳۲- بے غرض امداد

## ایک ہندو نے۔ ایک مسلمان کی کیونکر مدد کی

(۱)

رات خوب تاریک ہے اور مبارک حویلی کے اندر کابل کا معزول بادشاہ۔ شاہ شجاع آہستہ آہستہ ایک نوجوان سے رازدارانہ باتیں کر رہا ہے۔ اِس وقت کوئی نو بجے ہوں گے۔

شاہ شجاع۔ عزیز کشن چند! یہ معاملہ نہایت نازک ہے کیا ہم، تم پر بھروسا کر سکتے ہیں؟

کشن چند۔ بے شک! حضرت مجھے ہمیشہ اپنا ہمدرد اور مددگار پائیں گے۔!

شاہ شجاع۔ شاباش تم بڑے شریف آدمی ہو۔ ہمیں تم پر اعتماد کرنا چاہیئے! بھائی! تم دیکھ رہے ہو کہ میں کیسی مصیبت میں مبتلا اور تمہاری مدد کا محتاج ہوں!

کشن چند۔ اگر میں۔ شاہ کی کچھ خدمت کر سکا تو اس پر فخر کروں گا! فرمائیے! میں آپ کو کیا مدد دے سکتا ہوں؟

شاہ شجاع (آہستہ سے) بھائی! کسی نہ کسی طرح ہمیں یہاں سے نکالو۔ ہم تمہارا احسان عمر بھر نہیں بھولیں گے! کوئی تدبیر سوچو!

کشن چند۔ (کچھ سوچ کر) جناب ایک تدبیر ہو سکتی ہے ہاں! اُس سے کاربراری ہو جائیگی۔ اور ہم آپ کی مدد کر سکینگے۔

شاہ شجاع۔ تم کیا تدبیر کروگے؟

کشن چند نے بادشاہ کے کان میں کچھ کہا۔ جسے سُن کر شاہ شجاع کا چہرہ پھول کی طرح کھِل گیا۔

شاہ شجاع۔ بھائی تدبیر تو ٹھیک ہے۔ مگر مہاراجہ شاید تمہارا دشمن ہو جائے! تمہارے لئے خطرہ ہے۔

کشن چند۔ (جوش سے) کچھ پروا نہیں۔ ہم حضور پر اپنی عزت اور جان۔ سب کچھ قربان کر دیں گے! آپ مصیبت میں ہیں! بس آپ کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے دھرم کا حکم یہی ہے۔ انسان کی مدد کرنا انسان کا فرض ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ہم ضرور کامیاب ہونگے! میرے دوست بھی مدد دیں گے۔

شاہ۔ تو یہ کارروائی کب کی جائے گی۔

کشن چند۔ (سوچ کر) آج سے چوتھے روز۔ آدھی رات

کے وقت۔ اِن دنوں میں سب طرح کی تیاری کر لی جائے گی۔ اور اس سے پہلے حضور کو اطلاع بھی بھیجدوں گا۔

اس کے بعد کشن چند، بادشاہ سے رخصت ہو کر چلا گیا۔

(۲)

شاہ شجاع، انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں کابل کے تخت پر حکومت کر رہا تھا۔ اور وہ احمد شاہ ابدالی کا پوتا تھا۔

مگر چند سال بعد شاہ شجاع کے بھائی محمود نے اُس سے جنگ کی اور شکست دیکر کابل سے نکال دیا۔ چنانچہ اب شاہ شجاع لاہور میں مبارک حویلی کے اندر مقیم ہے۔ اُس کے عیال و اطفال بھی ساتھ ہی ہیں وُہ گویا مہاراجہ رنجیت سنگھ کا مہمان ہے۔

شاہ شجاع لاہور میں رہنے سے تنگ آچکا ہے۔ مگر مہاراجہ اُسے کابل کی طرف جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ تاہم شاہ انگریزی علاقے میں چلے جانے کا خواہشمند ہے۔

کابل کا بادشاہ محمود بارک زئی پٹھانوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ اور اب وہاں کا حکمران دوست محمد خاں بارک زئی ہے۔

اس وقت ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ آک لینڈ ہیں۔ چونکہ دوست محمد خاں نے انگریزوں کی دوستی قبول نہیں کی۔ لہذا گورنر جنرل کی کوشش یہ ہے کہ شاہ شجاع کو دوبارہ کابل کا بادشاہ بنایا جائے شاہ شجاع انگریزوں کا دوست اور خیر خواہ ہے۔

یہ امر ضروری ہے کہ کابل کا حکمران۔ حکومت ہند کا دوست ہو افغانستان، کوہستانی ملک ہے اور ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد

پر اشمالی مغربی سرحدی صُوبہ سے آگے واقع ہے۔ درمیان میں کچھ آزاد علاقہ ہے

کابل اور ہندوستان کے درمیان نہایت بلند پہاڑ ہیں۔ انہیں کے درمیان وُہ دشوار گذار اور خطرناک درے ہیں۔ جن میں ہو کر۔ کابل سے پنجاب اور ہندوستان آسکتے ہیں۔ امیر تیمور اور بابر وغیرہ اسی رستے ہندوستان پہنچے۔ بیرونی حملہ آوروں کا دروازہ یہی ہے۔ پس ہندوستان کی حفاظت کے واسطے یہ بات لازم ہے۔ کہ کابل کے بادشاہ سے دوستی ہو۔ آج بھی تو اس امر کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۳)

ٹھیک آدھی رات کو دو بہلیاں موچی دروازے کے اندر "مغل حویلی" کے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں۔ ان میں سے دو نوجوان ادھر اُدھر دیکھ کر احتیاط سے اُترے اور مُغل حویلی میں داخل ہو گئے۔ پہرہ داروں نے انہیں نہیں روکا۔ اور اندر جلنے دیا۔

تھوڑی دیر بعد۔ حویلی میں سے سات عورتیں یکے بعد دیگرے نکلیں جن کا لباس ہندوانہ تھا اور وُہ سب کی سب بہلیوں میں سوار ہو گئیں۔ اب آنے والے دونوں مرد بہلی کے پیچھے پیچھے بطور محافظ جا رہے تھے اُن کی کمروں میں تلواریں لٹک رہی تھیں۔ اِن دونو مردوں کا لباس بھی ہندوُوضع کا تھا۔ سر پر پگڑیاں تھیں۔ اِن میں سے ایک کو ہم بھی پہچانتے ہیں۔ یہ کشن چند ہے۔ بہلی وان بھی ہندو ہیں اور ان کے پاس بھی تلواریں ہیں۔

دونوں بہلیاں۔ اکبری دروازے سے باہر نکل کر دریائے راوی

کے رُخ چل دیں

۴

گھڑیال نے جوں ہی دو بجائے۔ فراش خانہ کی ٹوٹی ہوئی دیوار میں سے تین آدمی نہایت آہستہ سے نکلے۔

وُہ سیاہ چادروں میں ملفوف تھے۔ مُبارک حویلی سے باہر اُنہیں دو آدمی اور مل گئے وہ بھی سیاہ لباس پہنے ہُوئے تھے۔

اب یہ پانچوں آدمی موچی دروازے کے پھاٹک پہ آئے۔ مگر وُہ بند تھا یہ لوگ باہر نکلنا چاہتے تھے۔ اُس زمانے میں موچی دروازے پر بھی شاہ عالمی اور لاہوری دروازے کی مانند پھاٹک تھا۔ اور یہ پھاٹک رات کو احتیاط سے بند کر دیئے جاتے تھے۔ جس سے نہ اندر کا آدمی باہر جا سکتا تھا اور نہ باہر کا اندر۔ پھاٹک صبح کو کھولے جاتے تھے اور ان پر پہرہ رہتا تھا۔

وُہ لوگ شاہ عالمی کی طرف آئے تو وہاں کا پھاٹک بھی بند پایا۔ ان میں سے ایک بولا چلو لاہوری دروازے چلیں۔ مگر جب وُہ پانچوں وہاں پہنچے تو اُس دروازے کو بھی بند پایا۔ بس اب تو اُن کی مایوسی کی حد نہیں رہی۔

ایک بولا۔ اب کیا کیا جائے۔ کدھر جائیں۔ کس طرف سے نکلیں۔

دُوسرا۔ اب صرف ایک ہی تدبیر ہے

تیسرا۔ بولو! جلد ہی کہو! وقت نہایت تنگ اور نازک ہے

دُوسرا۔ اس بدرو کی مدد سے ہم آزادی حاصل کر سکتے ہیں!

اس کے سوا اور تدبیر ناممکن ہے۔

ایک۔ یہ بھی ناممکن ہے

تیسرا۔ نہیں یہ تدبیر ہماری مشکل حل کر دے گی۔

اب یہ لوگ ایک دوسرے کے بعد لاہوری دروازے کے قریب والی بدرو میں داخل ہوئے اور بڑی مشکل سے داتا گنج بخش کے مزار کے قریب شہر سے باہر نکلے۔ اور اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد انہوں نے مسجد میں جاکر اپنے کپڑے دھوئے اور پھر دریائے راوی کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۵)

شاہ شجاع۔ لدھیانے میں کپتان برج صاحب (اسسٹنٹ ریذیڈنٹ) کی کوٹھی میں بیٹھے ہوئے اُن سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں۔

شاہ شجاع۔ جناب میں سخت تنگ آچکا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ پر لگا کر اُڑ جاؤں۔ راجہ نے پہرہ سخت لگا دیا تھا۔ اُس کی کوشش یہ تھی کہ کوئی آدمی ہمارے پاس آنے نہ پائے۔

صاحب۔ افسوس! آپ نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔

شاہ شجاع۔ تاہم میں نے پہرہ داروں کو انعام واکرام دیکر اپنا ہمدرد بنا لیا تھا۔ چنانچہ اکثر آدمی میرے پاس آنے جانے لگے۔ اور میں جسے چاہتا بُلا لیتا تھا۔

صاحب۔ خوب!

شاہ۔ میں نے ایک شخص سے مدد کی درخواست کی۔ وہ ہندو

تھا۔ مگر وُہ میری امداد پر آمادہ ہوگیا۔ اور اُس نے محض میری خاطر، اپنی دولت۔ اپنی جان اور اپنی عزت خطرے میں ڈالدی۔

صاحب۔ شاید آپ نے اُس سے کوئی خاص وعدہ کیا ہوگا۔

شاہ۔ ہرگز نہیں۔ شریف کشن چند نے کسی لالچ کے بغیر میری امداد کی۔ یہ محض اِس کی شرافت اور نیک نفسی تھی۔ اِس میں کسی لالچ کا دخل بالکل نہیں تھا۔

صاحب۔ پھر تو وُہ شخص قابلِ تعریف ہے۔

شاہ۔ اِس میں کیا شک! میرے دِل میں اُس کی بڑی عزّت ہے۔ وُہ میرا ہم مذہب نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اُس نے میری مدد کی۔ بے تعصبی کی یہ حیرت انگیز مثال ہے۔

صاحب۔ بے شک! مگر کیا تدبیر کی گئی۔

شاہ۔ کشن چند کی تجویز کے مطابق بیگمات کو ہندوانہ لباس پہنا کر بہلیوں میں سوار کرا یا گیا۔ اور پھر ادھر روانہ کرا دیا گیا۔ اور وُہ کسی شُبہ کے بغیر نکل آئیں۔

صاحب۔ خُوب ہوا۔ مُبارک ہو۔

شاہ۔ جب راجہ رنجیت سنگھ کو اِس بات کی خبر ہوئی تو وُہ بہت ہی غضبناک ہوا۔ اور پہلا پہرہ ہٹا کر توپ خانہ کا پہرہ ہماری ڈیوڑھی پر لگا دیا۔

صاحب۔ اُوہ!

شاہ۔ لیکن کشن چند اور اُس کے دوستوں کی ہمت اور مدد نے

ہماری مشکل حل کر دی۔ چنانچہ ہم لوگ فراش خانہ کی کھڑکی توڑ کر مبارک حویلی سے باہر نکلے۔ مگر موچی دروازہ۔ شاہ عالمی دروازہ اور لاہوری دروازہ وغیرہ تمام دروازے بند تھے اور شہر سے باہر نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔ تاہم آخر کار ایک بدرو کے رستے شہر سے باہر نکل آئے۔ اور آپ تک پہنچ سکے۔

صاحب۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں مگر کیا بدرو کی تجویز بھی کشن چند ہی نے سوچی تھی۔

شاہ۔ بے شک! اُسی ہندو جوان نے دماغ لڑایا تھا۔ اُسی کی بدولت ہمیں آزادی نصیب ہوئی۔

صاحب۔ خوب! اب تخت کابل، صرف آپ کا ہے۔

(۶)

شاہ شجاع نے انگریزی فوج ہمراہ لے کر کابل کی طرف کوچ کیا۔ پھر دوست محمد خاں کی فوج سے جنگ کر کے قندھار۔ غزنی اور کابل یکے بعد دیگرے فتح کیے۔ غزنی کے قلعہ کا پھاٹک بارود سے اُڑایا گیا۔ دوست محمد خاں نے کابل سے بھاگ کر جنگلوں میں پناہ لی۔ اور شاہ شجاع تخت کابل پر قابض ہوا۔ یہ واقعات ۱۸۳۹ء میں رونما ہوئے۔ تخت نشینی کی رسم نہایت دھوم دھام سے ادا کی گئی۔

اگر کشن چند اور اُس کے دوست اپنی جان خطرے میں ڈال کر شاہ شجاع کی مدد نہ کرتے تو شاہ کا تخت کابل حاصل کرنا ناممکن تھا۔ بلکہ لاہور سے باہر نکلنا بھی محال تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شاہ شجاع مسلمان تھا اور کشن چند ہندو۔ مگر بے تعصب ہندو! یعنی نیک اور بہادر انسان!

# ۳۳۔ قربانی

## (مسلمان نے ہندو کی مدد کی)

(۱)

کشمیر جنت نظیر کے گورنر سردار محمد عظیم خاں۔ سری نگر کے رنگ محل میں بیٹھے ہوئے پنڈت بیر بر در سے باتیں کر رہے ہیں۔

پنڈت بیر بر در کشمیر کے مال گزار ہیں۔ مزارعین سے وہی مال گزاری وصول کر کے گورنر کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اس وقت کابل میں محمود شاہ دُرانی (خلف احمد شاہ دُرانی) فرماں فرما ہے۔ اور کشمیر پنجاب بھی گویا اُسی کے زیر فرمان ہے۔ کشمیر اس وقت کابل کا صوبہ ہے۔

سردار محمد عظیم خاں۔ امسال مال گزاری بہت ہی کم داخل خزانہ ہوئی ہے۔ پورا ایک لاکھ بقایا میں پڑا ہوا ہے۔ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا

پنڈت بیر بر۔ میں نے بہت کوشش کی۔ لیکن روپیہ وصول ہی نہیں ہوتا

گورنر۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے ۔؟

پنڈت ۔ حضور! سال گزشتہ فصل خام رہی ۔ پکنے ہی میں نہیں آئی ۔ جب پیداوار ہی نہ ہو تو بے چارے زمیندار اور کاشتکار روپیہ کہاں سے لائیں ۔ اور مال گزاری کیسے ادا کریں ۔؟

گورنر ۔ پھر کیا کیا جائے ۔!

پنڈت ۔ حضور! ہمارے کاشتکار درحقیقت اس قابل نہیں ہیں کہ وہ مال گزاری ادا کر سکیں ۔ اُن کے پلے روپیہ ہے ہی نہیں ۔ بلکہ اُن کی حالت نہایت نازک ہے ۔ مجھے اُن کا اندرونی حال معلوم ہے ۔

گورنر ۔ پھر ؟

پنڈت ۔ حضور براہ کرم اُنہیں مالیہ معاف کر دیں ۔ وہ لوگ حضور کی جان و مال اور عیال و اطفال کو دُعائیں دینگے ۔

گورنر ۔ معاف کر دو! خوب! یہ ناممکن ہے ۔ اگر مال گزاری وصول نہ کی گئی تو حکومت کا کاروبار کیسے چلے گا! آپ جیسے افسر مال ہوں تو بس پھر تباہی ہی تباہی ہے ۔ پنڈت جی آپ مال گزاری وصول کیجئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نرمی کر رہے ہیں ۔ اِسی لئے روپیہ وصول نہیں ہوتا ۔ پس آپ نہایت سختی سے وصول کریں ۔ آپ اِس کے ذمہ دار ہیں بیس لاکھ روپیہ تم سے اور تمہاری جائداد سے لونگا اور کوئی عذر نہیں سُنوں گا ۔ بس یہ میرا آخری فیصلہ ہے ۔

(۲)

سری نگر کے اُوپر سیاہ چادر پھیلی ہوئی ہے ۔ ستارے فضا روشن کرنے سے عاجز ہیں ۔ اِس وقت پنڈت بیر بر کے بھائی پنڈت میرزا

کی حویلی کے اندر سری نگر کے پندرہ معزز آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں نصف کے قریب مسلمان ہیں اور باقی ہندو زیادہ تر برہمن۔ پنڈت بیربر بھی موجود ہیں۔

پنڈت بیربر۔ میں نے گورنر صاحب سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ سال گذشتہ فصل خام رہی اور کاشتکار مال گزاری ادا کرنے کی توفیق نہیں رکھتے۔ لہٰذا مالیہ معاف ہونا چاہیئے۔

میرزا پنڈت۔ اِس حق گوئی کا صلہ آپ کو یہ ملا کہ گورنر نے فوج کا پورا دستہ وصولیت بقایا کے واسطے آپ کی حویلی پر متعین کر دیا اور اب فوجی خوب تنگ کر رہے ہیں۔

خواجہ قدوس۔ پنڈت جی! آپ یقین کیجیے کہ ہم سب کو آپ کے ساتھ ہمدردی ہے اور ہم سب طرح سے آپ کی مدد کرنے کے واسطے تیار ہیں۔ کیونکہ آپ ہماری ہمدردی کرنے کی وجہ سے مبتلائے مصیبت ہوئے ہیں۔

پنڈت بیربر۔ شکریہ

میرزا پنڈت۔ یہ تو بڑا ظلم ہے۔ لاکھ روپیہ کہاں ہے۔ اگر ہمارے پاس ہوتا تو ہم ضرور ادا کر دیتے۔

عبداللہ۔ آخر اس وقت کیا تدبیر کی جائے

میرزا پنڈت۔ کیوں نہ راجہ رنجیت سنگھ سے امداد طلب کی جائے۔

خواجہ قدوس۔ یہ مناسب ہوگا۔ ہاں بہتر ہے کہ پنڈت بیربر ہی لاہور جائیں اور مہاراجہ کو اِدھر آنے کی ترغیب اور دعوت دیں۔

پنڈت بیربر۔ میں اس خدمت کے واسطے بھی حاضر ہوں۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ اس میں میری جان اور عزت کا خطرہ ہے۔ اہل و عیال کا ساتھ لے جانا محال ہے۔ خصوصاً اس برف باری کے زمانے میں! پس کسی بھائی کو میری مستورات کی حفاظت اپنے ذمے لینی چاہیئے۔

یہ سُن کر مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ وہ لوگ سمجھ گئے تھے کہ یہ بیڑا اُٹھا کر گویا گورنر سے لڑائی مول لینا ہے۔

پنڈت رام سروپ۔ ایسی ذمہ داری لینا خودکشی کرنا ہے!

خواجہ قدوس جو گوجواری۔ بھائیو! اس قدر بزدلی کیوں دکھاتے ہو! چلو مستورات کی حفاظت کی ذمہ داری میں اپنے سر لیتا ہوں۔ میں اُنہیں پناہ دوں گا۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے اُن کی حفاظت کروں گا۔!

حاضرین۔ شاباش! جواں مرد شاباش!

پنڈت بیربر۔ اب میں بالکل تیار ہوں۔ میرے ساتھ میرا بیٹا راجہ کاک بھی جائے گا۔ اور میں کل ہی یہاں سے نکل جاؤنگا۔

(۳)

پنڈت بیربر اور اُن کے فرزند، چپکے سے سری نگر سے چل دیے گورنر کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہوئی اور وہ انواع و اقسام کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے کھوری نارہ داؤ کے علاقے میں جا پہنچے۔

یہاں کے رؤسا اعظم ملک ذوالفقار خاں اور کامگار خاں

نے اُن کی خُوب خاطر و مدارات اور بڑی عزّت کی۔

ان لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ پنڈت کس غرض سے لاہور جا رہے ہیں۔ لیکن انھوں نے اس کی پروا بالکل نہیں کی!

اس وقت جنوری کا مہینہ اور موسم سرما شباب پر تھا۔ اور برف باری نہایت شدت کے ساتھ ہو رہی تھی۔ حتیٰ کہ پیر پنجال پہاڑ برف کی وجہ سے ناقابل عبور ہو گیا تھا۔

ملک کامگار خاں اور ملک ذوالفقار خاں نے نندی مرگ کے رئیس اعظم نور جمال کی مدد لے کر پنڈتوں کو برف کے سمندر سے بڑی مشکل سے نجات دلائی۔

(۴)

سردار محمد عظیم خاں کے تیور چڑھے ہوئے ہیں اور وہ میرزا پنڈت سے دُرشت لہجے میں مخاطب ہیں۔

گورنر۔ بیربر کہاں چلا گیا۔

میرزا پنڈت۔ کہیں چلا گیا

گورنر۔ میں پوچھتا ہوں کہ کہاں چلا گیا۔ بولو سچ بولو۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ اگر نہ بتاؤ گے تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔

میرزا پنڈت۔ اگر وہ تارک الدنیا ہو گیا ہے تو گنگا کے کنارے بیٹھ کر جپ تپ کرے گا۔

گورنر۔ ورنہ

میرزا پنڈت۔ ورنہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پہنچے گا۔

گورنر۔ کیوں! اس کا کیا مطلب ؟

میرزا پنڈت۔ مہاراجہ سے مدد طلب کریگا۔

گورنر۔ کیا صلاح ہے ؟

میرزا پنڈت۔ مجھے قتل کرا دیجئے۔

گورنر۔ بیربل کے ذمہ بقایا تم ادا کرو

میرزا پنڈت۔ کیوں نہیں! میرے گھر میں خزانہ گڑا ہوا ہے اُسے اُکھڑوا لیجئے۔ حضور آپ تو پانی بلو کر اُس میں سے مکھن نکالنا چاہتے ہیں! گستاخی معاف ہو۔

(۵)

گورنر۔ آج سے چھ ماہ پیشتر ہم نے تمہیں بیربر کی مستورات کی تلاش پر مامور کیا تھا۔ مگر تم نے اب تک اُن کا سُراغ نہیں نکالا۔ تم کیسے ہرکارے ہو۔

اُس زمانے میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ہرکارہ کہتے تھے۔

پنڈت داسا کاک ہرکارہ۔ حضور میں پوری ششماہی سے خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ مگر ان بدبختوں کا پتہ نہیں ملا۔ نہیں معلوم زمین نگل گئی یا آسمان انہیں اُٹھا لے گیا۔ اُن کا پتہ نہ کوئی مسلمان بتاتا ہے اور نہ ہندو ہی۔

گورنر۔ یہ سب لوگ سازشی ہیں۔ مسلمان بھی اُن کے ساتھ مل گئے ہیں۔ ہم سب کو سخت سزا دینگے

پنڈت داسا۔ حضور مالک ہیں!

گورنر۔ تم اپنے فرض کی ادائگی میں غفلت کرتے ہو۔ پس جب

تک بیربر کی عورتوں کا پتہ نہیں لگاؤ گے تم سے ہر روز ایک ہزار روپیہ جرمانہ وصول کیا جائیگا

پنڈت۔ حضور عالی۔

گورنر۔ چُپ! اب کچھ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں۔

(۶)

خواجہ قدوس گوہواری۔ پابہ زنجیر گورنر کے رُوبرُو کھڑا ہے۔

جلاد حاضر ہے۔

گورنر۔ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے بیربر کی عورتوں کو اپنے گھر میں پناہ دی ہے۔

خواجہ قدوس۔ جی سچ ہے۔

گورنر۔ جانتے ہو کہ تم نے کتنا بڑا جرم کیا۔

خواجہ۔ جرم نہیں نیکی کی۔ مظلوموں کی مدد کی۔ میرا فعل انسانیت کے عین مطابق ہے۔ مظلوموں اور بیکس عورتوں کی مدد کرنا تو ہر انسان کا پہلا فرض ہے۔

گورنر۔ تم جانتے ہو کہ تم میرے ہم مذہب ہو، اور بیربر غیر مذہب کا آدمی ہے۔ پس تمہیں میرے خلاف بغاوت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔

خواجہ۔ میں نے صرف مظلوموں کی مدد کی ہے۔ اور کوئی جرم یا گناہ نہیں کیا۔ اب اگر میری یہ ہمدردی اور نیکی کسی کے نزدیک جُرم ہے تو میں اُس کی زیادہ سے زیادہ سزا برداشت کرنے کے واسطے تیار ہوں۔

گورنر۔ بہت اچھا! تو مرنے کے واسطے تیار ہو جاؤ۔ یہ کم از کم

سزا ہے۔

خواجہ۔ میں پہلے ہی سے تیار ہوں۔

خواجہ کو سزائے موت دی گئی۔ اور وہ پنڈت بیر بر پر قربان ہو گیا



# ۴۳۔ جان بخشی

## ایک سکھ نے مسلم لڑکی کی جان بچائی



قاضی رستم خاں کے مکان واقع مزنگ (لاہور) میں چند مولوی اور قاضی بیٹھے ہوئے مذہبی گفتگو کر رہے ہیں۔ دن چھپ چکا ہے

رستم خاں۔ کولاں، بڑی نالائق ہے۔ ہر چند سمجھاتا ہوں۔ مگر ایک نہیں سنتی۔ بڑی ہی ضدن ہے۔ کاش! وہ میرے گھر پیدا ہی نہ ہوتی۔

ایک مولوی۔ واقعی افسوس ناک امر ہے۔ بالغ ہو جانے کے بعد لڑکی کا شادی نہ کرنا سخت گناہ ہے۔ شریعت کا فیصلہ یہی ہے۔

دوسرا۔ اور مصلحت بھی یہی ہے۔ بعد بلوغ مجرد رہنا تقریباً محال ہے۔ لہذا فتنہ کا اندیشہ ہے۔

رستم خاں۔ مگر وہ کمبخت تو کہتی ہے کہ ساری عمر نکاح نہیں کروں گی۔ بلکہ تمام زندگی اسی طرح مجرد رہ کر گوشہ نشینی اور فقر و فاقے میں گزار دوں گی۔!

مولوی۔ یہ ناممکن ہے۔!

دوسرا۔ اگر ممکن بھی ہو تو شریعت کی نافرمانی، خلاف ورزی اور توہین ہے۔!

تیسرا۔ کفر عائد ہوتا ہے

رستم خاں۔ اور اس کی سزا کیا ہے؟

مولوی۔ گناہگار۔ یا گنہگارہ کا قتل!

رستم خاں۔ اچھا!

مولوی۔ ہم فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔

رستم خاں۔ اگر آپ فتویٰ دیدیں تو میں ایسی نالائق لڑکی کو ضرور قتل کر دوں گا۔!

سب مولوی۔ ہم فتویٰ لکھنے کو تیار ہیں۔ لو ابھی لکھے دیتے ہیں۔

اب گولا دختر قاضی رستم خاں کے قتل کا فتویٰ لکھا گیا۔ اور اُس پر موجودہ مولویوں اور قاضیوں نے دستخط کر دیئے اپنی اپنی مُہریں لگائیں اور پھر فتویٰ رستم خاں کے حوالے کر دیا گیا۔

اب رستم خاں اپنی بیٹی گولاں کو قتل کرنے کے واسطے بالکل

تیار تھا۔

(۲)

درویش حضرت میاں میر اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے ہیں (اب یہ آبادی لاہور چھاؤنی کے قریب ہے) ایک بوڑھی عورت، اُن کے پاس بیٹھی بات چیت کر رہی ہے۔

بوڑھیا۔ حضرت! جس طرح بنے اُس بے گناہ لڑکی کی جان بچائیے آپ کو بڑا ثواب ہوگا۔ اُس کا ظالم باپ، اُس کے قتل پر آمادہ ہے۔ اور مولویوں اور قاضیوں نے بھی اُس کے قتل کا فتویٰ لکھدیا۔ اور اُس پر اپنی مُہریں لگا دی ہیں۔

میاں میر صاحب۔ افسوس! سخت افسوس۔

بوڑھیا۔ کولاں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور درخواست کی ہے کہ اُس کی جان بچائیے۔ مگر حضرت جلدی کیجئے۔ دیر کا موقع نہیں ہے۔ ورنہ بے رحم قاضی اُسے قتل کر دے گا۔

میاں میر صاحب! (سوچ کر) اچھا تُم! کولاں کو آج رات کسی نہ کسی طرح میرے پاس پہنچا دو پھر میں اُس کی جان بچاؤں گا۔ میں اُسے امرتسر میں اپنے ایک دوست کے پاس بھیج دُونگا اور وہ وہاں اُن کی حفاظت میں رہیگی۔ وہ بڑے نیک آدمی ہیں۔

بوڑھیا۔ بہت اچھا! میں کولاں کو آپ کے یہاں پہنچا دُوں گی: حضرت آپ اُس کی جان بچا لیجئے۔ یہ بڑا نیک کام ہے۔ آپ کو اس کا بدلہ ملے گا۔ نیکی کسی کی ضائع نہیں جاتی

ضعیفہ یہ کہہ کر چلی گئی۔

(۳)

گورو ہرگوبند، امرتسر میں ایک مکان کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ قریب ہی قاضی رستم خاں بھی بیٹھا ہے۔

گورو صاحب۔ قاضی جی! انسان کی جان نہایت قیمتی ہے۔ پس اس کا ضائع کر دینا سخت گناہ اور بڑا پاپ ہے۔

قاضی۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں! گورو صاحب

گورو صاحب۔ تو اپنی بیٹی پر رحم کیجئے اور اُس کی جان بخشی کر دیجئے۔

قاضی۔ میں اُسے لاہور لے جانا چاہتا ہوں!

گورو صاحب۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ آپ اُس کی جان کی ضمانت دیں اور وُہ جانے پر رضامند ہو۔ میرے دوست میاں میر نے کولاں کو میرے پاس بھیجا ہے اب وُہ میری حفاظت میں رہے۔ یہاں اُسے کوئی تکلیف نہیں۔ ہے۔ ہر قسم کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ وُہ دن رات عبادت کیا کرتی رہتی ہے۔ میں اُسے اپنی بیٹی سمجھتا ہوں۔ اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دُونگا۔

رُستم خاں۔ ذرا اُسے بلوائیے تو سہی۔

گورو جی۔ بہت بہتر۔ اگر وُہ جانے پر تیار ہو تو مجھے اُس کے بھیجنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ یہ کہہ کر گورو جی نے کولاں کو بلوا بھیجا۔ اور لڑکی وہاں آموجود ہوئی۔

رُستم خاں۔ کولاں! میں تمہیں لینے کے واسطے آیا ہوں تم لاہور چلو۔ تمہاری ماں تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔

کولاں۔ ہاں! اماں موت میرے لئے بیقرار ہو گی! وُہی یاد کر رہی ہو گی!

وُہ یہ کہہ کر زار زار رونے لگی۔

گورُو جی۔ مت رُو و بیٹی مت رُو و! میرے ہوتے ہوئے تم پر جبر کوئی نہیں کر سکتا! میں تمہیں قتل نہیں ہونے دُوں گا! قاضی صاحب! آپ نے دیکھا کہ لڑکی کس قدر ڈری ہوئی ہے۔

قاضی۔ بڑی بدبخت لڑکی ہے۔ کاش یہ پیدا ہی نہ ہوتی۔ یا پیدا ہوتے ہی مر جاتی! نالائق کہیں کی!

(۴)

قاضی رُستم خاں۔ مجبور ہو کر لاہور واپس چلا گیا کولاں جان کے خوف سے اُس کے ہمراہ نہیں گئی۔ بلکہ تمام عمر تجرد اور عبادت گزاری ہی کے اندر امرتسر میں گزار دی۔ گورُو ہرگوبند جی آخر تک اُس کی سرپرستی اور حفاظت کرتے رہے۔

گورُو جی نے۔ کولاں کی درخواست پر ایک تالاب بنوا دیا۔ جو اُس کے نام پر کولسر مشہور ہُوا۔ اور کولسر آج بھی امرتسر میں موجود ہے یہ تالاب سکھوں، مسلمانوں اور ہندوؤں سے زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ گورُو ہرگوبند جی نے مسلمان لڑکی کولاں کی جان کس طرح بچائی کولاں نے اسی حال میں امرتسر وفات پائی۔

# ۲۵۔ بے غرض خدمت

## (مسلمانوں نے سکھ کی حمایت و مدد کی)

(۱)

گورو تیغ بہادر جی سامانہ (علاقہ پٹیالہ) میں مقیم ہیں۔ اور منڈلی قوم مسلم کے مہمان ہیں۔ تقریباً ایک سو آدمی اُن کے ہمراہ ہیں۔ مسلمان ان سب کی خاطر تواضع مُدّت سے کر رہے ہیں۔

اس سے پہلے وُہ اور اُن کے چیلے (سکھ) جھبرماں مالوہ (پٹیالہ) میں حنیف خاں اعوان کے ہاں قیام پذیر رہے۔ اور اُن لوگوں نے اُن کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔

جب دہلی سے گورو تیغ بہادر کی طلبی ہوئی تو اُنہوں نے لکھ بھیجا کہ برسات کے بعد حاضر ہو جاؤں گا۔ اِس کے بعد گورو جی پٹیالے کے علاقے میں آ گئے۔ اور یہاں کے مسلمانوں نے اُنہیں عزیز مہمان کی

طرح رکھا۔

شہنشاہ اورنگ زیب نے گورو جی کو اس بنا پر طلب کیا تھا کہ کہ گورو جی کے رشتہ دار ہی اُن کے خلاف دربار میں سازش کر رہے تھے۔

اِس سے پہلے جب دُشمنوں نے شرارت کی تھی تو وہ اپنے عیال و اطفال پٹنے چھوڑ کر آسام کی طرف نکل گئے تھے۔ اور اب پھر پنجاب آئے تو وُہی فِتنہ پردازی شروع ہو گئی ہے اور اُن کے رشتہ دار شہنشاہ عالمگیر کے کان بھر رہے ہیں۔

(۲)

صفدر۔ کیا تُم نہیں جانتے کہ یہ شہنشاہ کا مُجرم ہے۔ پھر تُم نے اِسے اپنے گھر میں کیوں رکھا ہُوا ہے۔ اِسے دہلی بُلایا گیا تھا۔ مگر یہ حیلہ بازی کر کے اِدھر چلا آیا۔

وزیر علی۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟۔

صفدر۔ بھلا یہ بھی کوئی پُوچھنے کی بات ہے۔ میں اِسے گرفتار کر کے لے جانا چاہتا ہُوں۔

وزیر علی۔ جانے دو درویش مسکین ہے۔ اس کے حال پر رحم کرو

صفدر۔ خُوب! رحم کی بھی ایک ہی کہی۔ اس پر رحم کرُوں اور خود پھانسی پہ لٹکوں!

اس وقت سید نہور علی آتا ہے

سید۔ کیا بات ہے!

وزیر علی۔ یہ گورو جی کو تنگ کرتا ہے۔

سید۔ یہ ہے کون ؟
وزیر علی۔ کہتا ہے کہ جاسُوس ہے۔
سید۔ جاسُوس! ارے تو یہ! لعنت ہے جاسُوسی پر اِس سے تو مانگ کھانا اچھا ہے۔
جاسُوس۔ بس بس زبان روک! کیا مَوت آئی ہے۔
سید۔ ہاں! موت آئی ہے۔ مگر سید کی نہیں بلکہ جاسُوس کی یہ کہہ کر اُس نے جاسُوس کا سر تلوار سے اُڑا دیا۔
گورُوجی۔ ہیں! یہ تُم نے کیا غضب کیا۔
سید۔ گوروجی۔ اِس کی سزا یہی تھی۔ آپ کے ساتھ گُستاخی سے پیش آتا تھا
وزیر۔ شاباش! خُوب کام کیا سید بہادر

(۳)

سید حسن عبداللہ۔ گورُوجی! میں اگرچہ شاہی کا نوکر ہوں۔ لیکن یقین کیجئے کہ آپ کا خیرخواہ ہُوں۔ آپ گو اس وقت میری حراست میں ہیں۔ مگر میں آپ کی ہر خدمت کے واسطے حاضر ہُوں۔
گورُوجی۔ شاباش! زندہ باد!
سید۔ میری گزارش قبول فرمائیے۔ یہاں سے تشریف لے چلیے میں ضلع انبالہ کا رہنے والا ہُوں۔ اُدھر ہی کو تشریف لے چلیے۔ میں خادم کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر رہُوں گا۔ اور میں سرکاری نوکری پر لات مار دُوں گا۔
گورُوجی نہیں ایسا نہیں ہو سکتا! تُم مجھے دہلی ہی لے چلو۔

سید:- میں پھر عرض کرتا ہوں۔ جان بچائیے۔ جان بڑی قیمتی چیز ہے۔

گورو جی۔ نہیں ایشور کی اِچھیا پوری ہوگی۔

سید۔ افسوس۔



# ۳۶۔ قربانیاں

## دو مسلمان سکھ پر قربان ہوئے



(۱)

رگہی اور جمنا ندی کے دوآبے میں موضع بھنگانی کے قریب کئی روز سے جنگ برپا ہے۔ کافی سے زیادہ خون ریزی ہوچکی ہے۔ مگر ابھی شکست و فتح کسی فریق کی نہیں ہوئی ہے۔

ایک فریق پہاڑی راجہ ہیں۔ اور دوسرا فریق گورو گوبند سنگھ جی اور اُن کے مددگار ہیں۔ یہ ایک افسوسناک مگر قابل ذکر واقعہ ہے کہ بہت سے اُداسی سکھ گورو صاحب کی رفاقت ترک کرکے میدان سے چلے گئے ہیں۔ اُن کی تعداد پانسو کے قریب تھی گورو صاحب کو ان کی بےوفائی کا بڑا ملال ہے۔

تاہم گورو صاحب کی فوج میں نند لال۔ لال چند۔ کرپال داس کرپال چند۔ صاحب چند۔ چیت رام۔ گلاب رائے۔ گنگا رام۔ موہری چند۔ دیا رام اور جیون وغیرہ بہادر اور جاں باز ہندو لڑ کر مرنے کٹنے اور اپنی جانیں نثار کرنے کو حاضر ہیں۔

(۲)

جنگ برپا ہے۔ متواتر دو گھنٹے سے لوہا برس رہا ہے۔ فریقین کے بیشمار بہادر کٹ مر کر مردوں میں شامل ہو چکے ہیں۔

پہاڑی راجاؤں کی فوج کم و بیش دس ہزار ہے۔ اور اس کے مقابلے میں گورو صاحب کا لشکر ایک اور دو ہزار کے قریب ہے۔ جن کے سپاہی دمبدم کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس واسطے گورو جی کا متفکر ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔

عین اس وقت مشرق کی طرف سے گرد اڑتی نظر آئی۔ پھر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ کوئی نیا لشکر آ رہا تھا۔ دوست دشمن گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنے لگے۔ کہ یہ امداد کدھر آئی ہے! فی الحقیقت آنے والے لشکر کا تعلق آئندہ فتح و شکست سے تھا۔

آنے والی فوج کوئی دو ہزار سوار پیادوں پر مشتمل تھی سپہ سالار اور افسر لباس سے مسلمان معلوم ہوتے تھے سپاہی بھی زیادہ تر مسلمان ہی تھے۔ مگر ہندو اور سکھ بھی تھے۔

گورو جی کے چہرے پر بشاشت کھیلنے لگی۔ اُن کا دل اُمید سے بھر گیا۔ کیونکہ آنے والی فوج ان کے دوست سید بدھو شاہ کی تھی۔ اور سید اُنہیں کی امداد کیواسطے آئے تھے۔

گورو جی نے میدان سے ذرا باہر نکل کر سید صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا بھائی "عین وقت پر پہنچے۔ پھر اُن کو ساتھ لے کر دشمن کا ستھراؤ شروع کیا۔

شام تک لوہے سے لوہا بجتا رہا۔ اُدھر سورج مغربی پہاڑیوں کے نیچے آرام کرنے چلا، اِدھر فتح و شکست کا فیصلہ ہو گیا۔ دو تین ہزار لشکر، دس ہزار فوج پر غالب آ گیا۔ گورو گوبند اور اُن کے دوست و رفیق غالب آئے۔ یعنی پہاڑی راجہ مغلوب ہوئے اور اُن کے بہت سے سردار اور سپاہی تہ تیغ ہوئے۔

بقیتہ السیف دشمن نے راہ گریز اختیار کی تو گورو جی کی فوج اُن کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ کئی کوس تک تعاقب ہوا۔ اور دشمن سے بہت سا مال و اسباب چھین لیا گیا۔

بہت سے بہادر گورو صاحب کے مقاصد پر بھی قربان ہوئے اُنہیں میں سید بدھو شاہ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ اور دیگر بہت سے مسلمان بھی۔

یہ جنگ بکیا کھ سمت ۱۷۴۲ (۱۶۸۵ء) میں ہوئی تھی۔

(۳)

کچھ مدت بعد سید بدھو شاہ قتل ہوئے۔ اُن پر الزام یہ لگایا گیا کہ وہ گورو گوبند سنگھ جی کے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ اور اُنہیں فوج اور ہر چیز کی امداد دیتے ہیں۔ اور یہ امر واقعہ تھا۔ جس سے سید صاحب نے انکار نہیں کیا۔

شہر لاہور سے باہر ایک مقام "بدھو کا آوا" کہلاتا ہے۔ یہ سید بدھو شاہ

کی یادگار ہے۔

سید بدھو شاہ، اور اُن کے فرزند، گورو گوبند جی پر قربان ہوئے۔ (حالانکہ وہ دونوں مسلمان) اور گورو جی (سکھ) تھے۔



# ۳۷۔ نقش سنگی

## مسلمانوں کا سلوک ہندوؤں کے ساتھ



(۱)

صوبیدار ظفر خاں سری نگر (کشمیر) کے محل تخت ارضی میں بیٹھے ہوئے ایک تحریر نہایت غور و خوض سے پڑھ رہے ہیں۔ ان کا اصل نام احسن اللہ ہے۔ اور ظفر خاں خطاب ہے۔

یہ شاہجہان کا فرمان ہے۔ جو آج ہی دہلی سے آیا ہے۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

۸ اسفندیار ماہ الہٰی سنہ جلوس شاہ جہاں صاحب قران سلطان ہندوستان۔

چونکہ ایں جانب کی تمام توجہ بہبودئی خلق کی طرف منعطف ہے لہٰذا علاقہ کشمیر کی بعض سابقہ کاروائیوں کے متعلق جو تکلیف دہ ہیں۔ ہم

احکام ذیل صادر کرتے ہیں۔

(۱) زعفران جمع کرتے وقت رعایا سے بیگار لی جاتی تھی۔ اور انہیں مزدوری میں ذرا سا نمک دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے لوگوں کو مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ اس لئے اب ہم حکم دیتے ہیں کہ اس معاملے میں کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ اور شاہی زمین سے جو زعفران چُنا جائے اس کی اُجرت معقول دی جایا کرے۔

(۲) سابق میں لکڑیوں کی ہر خرولہ پر دو دام محصول لیا جاتا تھا۔ پھر صوبیدار اعتقاد خاں نے چار دام کر دیئے۔ لیکن اب ہم حکم دیتے ہیں کہ یہ محصول بالکل معاف کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ رعایا کے واسطے تکلیف دہ ہے۔

(۳) چار سو خروار والے دیہات سے حکام دو بکرے وصول کرتے رہے ہیں۔ اعتقاد خاں نے اپنے عہد میں بکری کی قیمت ۶۶ دام وصول کی۔ لیکن چونکہ یہ رعایا کے لئے تکلیف دہ ہے لہٰذا ہم حکم دیتے ہیں کہ یہ طریق بند کیا جائے۔ یعنی نہ بکرے بکریاں لی جائیں اور نہ نقدی

(۴) اعتقاد خاں کے زمانے میں بچے۔ جوان اور بوڑھے ملاحوں سے (بے امتیاز) ۷۵ دام محصول وصول کیا جاتا رہا ہے (حالانکہ دستور قدیم یہ تھا کہ جوان سے ۶۶ دام، بوڑھے سے ۱۲ دام اور بچے سے ۳۶ دام وصول کئے جائیں) لہٰذا ہم حکم دیتے ہیں کہ اعتقاد خاں کے احکام منسوخ سمجھے جائیں اور ملاحوں سے قدیم دستور کے اصول پر محصول وصول کیا جائے۔

(۵) سابق صوبیدار فصلِ میوہ میں۔ عمدہ میوہ والے باغوں کے

اندر بہ غرض حفاظت اپنے آدمی مامور کر دیتے تھے۔ اور ان باغوں سے اُن کے مالکان مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن یہ امر رعایا کے حق میں پریشان کُن ہے۔ اسی باعث مالکان باغ نے اپنے درخت اُکھاڑ ڈالے ہیں۔ پس اب ہم حکم دیتے ہیں کہ کوئی صوبیدار کسی باغ یا باغیچے پر قبضہ نہ کرے۔

یہ احکام حال اور استقبال سے متعلق ہیں۔ حکام۔ عمال۔ اور دیوان ان کا خیال رکھیں اور ابدی جانیں۔ ان میں مطلق تغیر نہ کریں۔ اگر خدانخواستہ کوئی خلاف ورزی کریگا۔ تو اُس پر خدا کی لعنت۔ اور شاہی غضب نازل ہوگا۔

(۲)

سردار احسن اللہ خاں کا باپ آغاز عہد شاہ جہانی میں کشمیر کا صوبیدار تھا۔ پھر سنہ ۵ جلوس شاہ جہانی میں احسن اللہ نائب صوبیدار اور پھر اپنے باپ کی وفات کے بعد صوبیداری کے منصب پہ مامور ہوا۔

مگر سات سال بعد معزول ہوا۔ اور صوبیداری کا منصب تربیت خاں کے حصے میں آیا۔

سنہ ۱۵ جلوس میں کشمیر کے اندر سخت قحط سالی رونما ہوئی تو شاہجہان نے وہاں کے فاقہ زدہ باشندوں کی اعانت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔ لیکن شاہی جاسوسوں کی رپورٹ سے شہنشاہ کو معلوم ہوا کہ تربیت خاں خاطر خواہ انتظام نہیں کر سکا۔ لہذا اب احسن اللہ خاں کو پھر کشمیر کا صوبیدار بنا کر بھیجا گیا۔

تاریخ میں بالتفصیل مذکور ہے کہ شاہجہاں نے کشمیر کے فاقہ زدوں کے واسطے کافی زرِ نقد بھیجا اور صوبیدار کے نام تاکیدی احکام جاری کئے تھے۔

(۳)

خود شاہ جہان ؁ جلوس میں کشمیر گیا۔ اور اس خطے کو صوبیدار کے حسنِ انتظام سے خبت نظیر پایا۔ اس نے دیکھا کہ صوبیدار یہاں کی ہر قوم میں نہایت ہر دلعزیز ہے۔ لہٰذا خوش ہو کر ظفر خاں کا خطاب دیا۔ نیز دیگر طریق سے عزت افزائی کی۔

ظفر خاں۔ عالم و فاضل اور علم دوست سردار تھا۔ لیکن اُس کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ وہ رعایا سے کشمیر کی بہبودی اور خاص و عام کے فائدہ کا خواہاں تھا۔ چنانچہ اُسی نے شاہ جہاں سے درخواست کر کے اور خود مذکورہ بالا فرمان حاصل کیا۔ اور اس طرح جدید اصلاح پر قابض ہو کر رفاہِ عام کے بہت سے کام کیئے۔

(۴)

آج صوبیدار ظفر خاں پھر فرمانِ شاہ جہان کے مطالعہ میں مصروف ہے۔! ——— سُنیئے سُنیئے وہ اپنے مشیر خاص اعتماد خاں سے کیا کہہ رہا ہے۔

"میں اس فرمان کو زندہ جاوید کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ یہ دفتری کاغذات میں شامل ہو کر ردی نہ ہو جائے۔ بلکہ میرے بعد آنے والے حاکم بھی اس کے عامل اور پابند رہیں۔

اعتماد خاں۔ آپ کا خیال بہت مبارک ہے۔

ظفر خاں۔ صورت ایسی ہونی چاہیئے کہ رعایا بھی ان اصلاحات سے واقف رہے۔ تاکہ اگر کوئی خود غرض اور نا انصاف صوبیدار یہ اصلاحات نظر انداز کرے تو رعایا مطالبہ کر سکے۔

اعتماد۔ حضور رعایا کے بڑے ہی خیر خواہ ہیں۔ حاکم ہوں تو ایسے ہی ہوں!!

ظفر خاں۔ میرا خیال ہے کہ یہ فرمان۔ بلفظہٖ پتھر پر کندہ کرا کے جامع مسجد کی دیوار پہ لگوا دوں تاکہ حاکم و محکوم ہمیشہ اِن احکام و اصلاحات سے مطلع رہیں۔

اعتماد خاں۔ نہایت مُبارک تجویز ہے۔

ظفر خاں۔ تو اُستاد غنی کو بلواؤ۔ تاکہ اسے یہ فرمان پتھر پر تحریر کرنیکا حکم دیدیا جائے۔

اعتماد خاں۔ بہت مبارک۔

(۵)

سردار ظفر خاں ۱۰۶۲ھ میں ٹھٹھہ کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ مگر جلد ہی مُستعفی ہو کر لاہور میں قیام پذیر ہوا۔ اور یہیں ۱۰۷۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

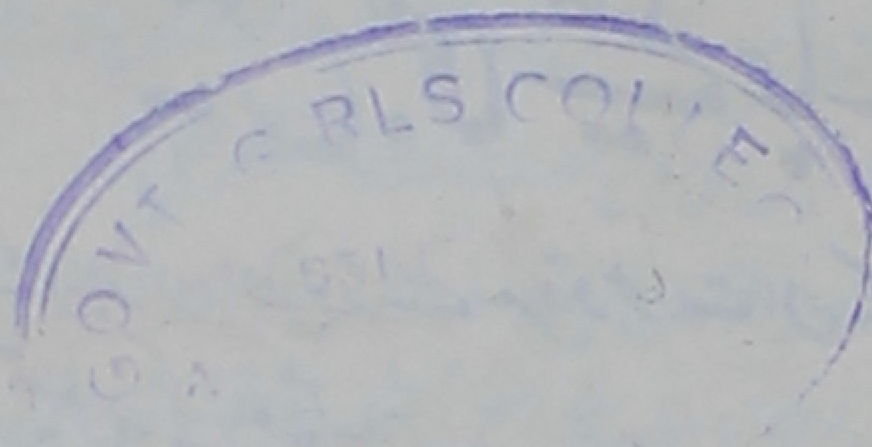
کشمیر کے صدر مقام سری نگر کی جامع مسجد کے جنوبی دروازہ پر باہر کی طرف ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے۔ اور اُس پہ طویل عبارت کندہ ہے۔ یہ وُہی شاہ جہانی فرمان ہے۔ جو رعایائے کشمیر کی بہبودی کے متعلق ہے۔ اور جو ظفر خاں نے، شاہ جہاں سے حاصل کر کے پتھر پر کندہ کرایا اور مسجد کی دیوار پہ لگوایا۔ آج بھی سری نگر جا کر ہر شخص فرمان پڑھ سکتا ہے

اصل فرمان فارسی زبان میں ہے۔ مگر ہم نے اُس کا اُردو خلاصہ تحریر کیا ہے۔



## اتحّادی افسانے

# ختم شد



# رُوح موسیقی

موسیقی اور نغمہ کی جادو اثری سے ہر ادنےٰ اعلےٰ انسان واقف ہے۔ نغمہ روح کی غذا ہے۔ اور فکر و غم کا دشمن۔ تنہائی میں انسان کا رفیق و شفیق۔ صحت کا محافظ۔ چنانچہ آجکل یورپ میں موسیقی کی مدد سے اکثر امراض دور کئے جا رہے ہیں نغمہ تسخیر قلوب کا ذریعہ ہے۔ جس کا جویا ہر شخص ہے۔ کتاب رُوح موسیقی آپ کو یہی نعمت غیر مترقبہ عطا کریگی۔ ملک کو اس فن کے ماہرین کامل محمد ظفر صاحب قیصر بی اے علیگ اور بابو معراجدین صاحب گورنمنٹ پریس لاہور کا شکر گذار ہونا چاہیے ہند کے ان مایہ ناز داقفان فن نے نہایت محنت جانفشانی اور عرق ریزی سے یہ نسخہ مرتب کیا ہے۔ جس کی دنیا مدت سے منتظر تھی۔

پس آپ بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر اس کی قدر کیجئے اور اپنی اور اپنے خاندان کی زندگی زیادہ پُر لطف بنائیے۔ اس کتاب میں موسیقی کے تمام رموز کا نہایت آسان اور اعلےٰ پیمانہ پر انکشاف کیا گیا ہے۔

پبلشر:- نیشنل بکڈپو ایجوکیشنل پبلشرز ۱۶ سرکلر روڈ لاہور

# عذرا کے خطوط

مصنفہ

اے - ایچ - آغا

ایک تعلیم یافتہ بازاری عورت کے تفلسف زندگی کی عریاں تصویر - فلسفہ اور منطق کے متلاطم سمندر - کسی کا ایثار اور کسی کا تغافل - محبت کی تصویر میں خونِ انسانی کے رنگوں کا صحیح امتزاج - جوانی کی نفرتیں - بربادیاں اور تباہ کاریاں مختصر یہ کہ یہ کتاب اپنے آغوش میں ایک دنیا لئے ہوئے ہے - آپ پڑھتے پڑھتے ایک ایسی دنیا میں چلے جائیں گے - جہاں رنگینیاں ہی رنگینیاں آباد ہیں - ملک کی شہرہ آفاق ہستی جناب عبدالمجید صاحب سالک مدیر انقلاب کا تبصرہ بھی اس کتاب کے ساتھ وابستہ ہے - کتابت و طباعت دیدہ زیب قیمت مجلد صرف ۸ر

پبلشرز: نیشنل بکڈپو ایجوکیشنل پبلشرز ۱۶ سرکلر روڈ لاہور

# شاعری کالج لاہور

میں

# مفید شاعری سیکھو

شاعری کالج میں کارآمد شاعری بذریعہ خط و کتابت بھی سکھائی جاتی ہے جسے سیکھ کر آدمی روزی کمانے کے علاوہ ملک و قوم کی بھی اہم خدمت کر سکتا ہے

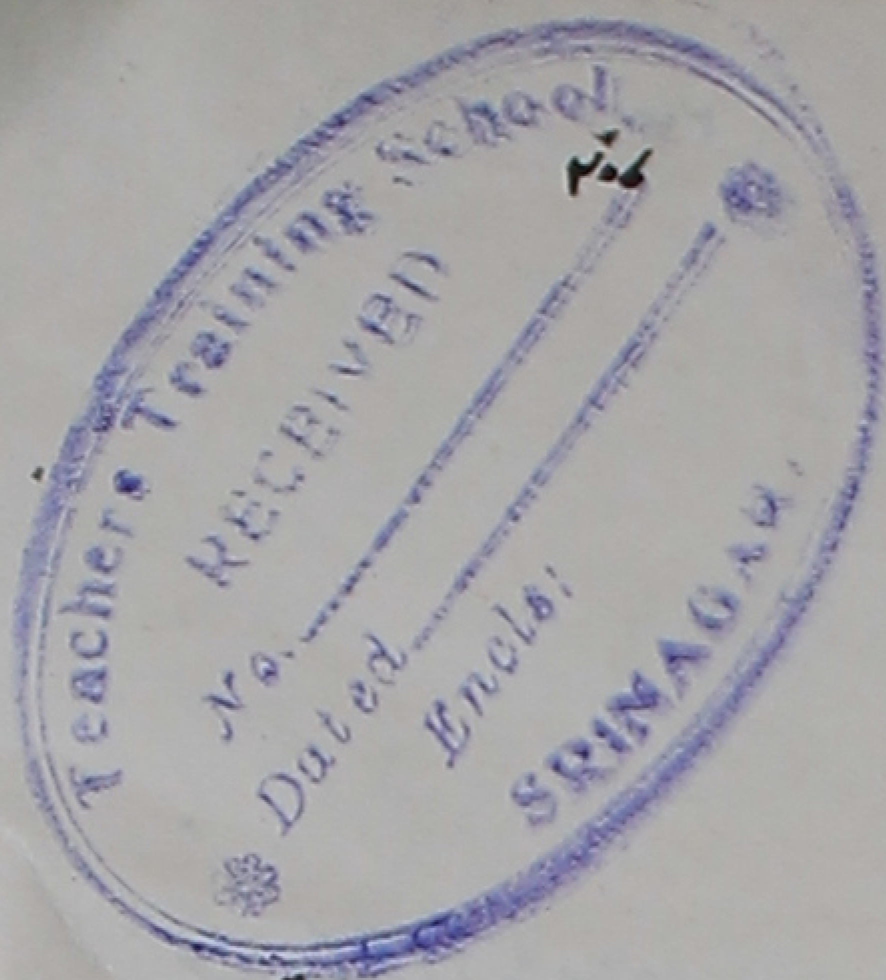
شاعری کالج میں مضمون نگاری۔ ناول نویسی، ڈراما لکھنا۔ ایڈیٹری اور تصنیف و تالیف کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک معزز فن سیکھ کر بھی آدمی باعزت روزی اور زندہ جاوید شہرت حاصل کر سکتا ہے

## پنجاب یونیورسٹی اردو کلاسز

(۱) پروفیشنسی (ادیب عالم)
(۲) ہائی پروفیشنسی (ادیب فاضل)
(۳) اردو آنرز (اردو منشی فاضل)

کی بھی تیاری کرائی جاتی ہے۔ یہ امتحانات ہر لیاقت کا آدمی (خواہ پرائمری پاس بھی نہ ہو) پاس کرکے بی۔ اے۔ ایم۔ اے کا امتحان پرائیویٹ طور پر بہت تھوڑے وقت اور برائے نام خرچ میں پاس کر سکتا ہے۔ اور اسطرح کالج کے شاہانہ خرچ سے بچ سکتا ہے۔

یہ امتحان پاس کرکے صرف انگریزی زبان کا امتحان دینا ہوتا ہے۔ تاریخ جغرافیہ حساب وغیرہ اور کسی مضمون میں سر کھپانا نہیں پڑتا۔ ایک گھنٹہ روز محنت کرکے بھی ان امتحانوں میں کامیاب ہو کر (بی۔ اے۔ ایم۔ اے) پاس کرنا آسان ہے مڈل۔ میٹرک فیل یا پاس۔ دفتروں کے کلرک ملازم (ہر عمر کے) بے روک ٹوک شریک ہو کر اعلیٰ عہدے حاصل کر سکتے ہیں روزانہ ایک گھنٹہ محنت کرنا بالکل آسان بات ہے۔




جناب مکرم! ........ تسلیم

ایک جلد کتاب "اتحادی افسانے" نذر جناب ہے۔ براہ کرم
قبول فرما کر رسید سے مطلع فرمائیے!

جناب سے بھی مخفی نہیں ہے کہ ہندوستان میں مسئلہ اتحاد بین الاقوام خاص
اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں ایک حقیر سی خدمت (اپنی دانست
میں) کی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ایسے لٹریچر کی اشاعت حصول مقصد (اتحاد
ہندو مسلم وغیرہ) کا ایک موثر ذریعہ بن سکتی ہے۔ اور اسلئے اشاعت کی بیش از
بیش ضرورت ہے۔ لہٰذا میں جناب سے بھی امداد کا خواہاں ہوں جو بھی جناب کے
مکان میں ہو اسر دست اپنی زریں رائے (اولین فرصت میں) ارسال
فرما کر ممنون فرمائیں۔ کہ وہ بھی معاون اشاعت ثابت ہو سکتی
ہے!

فقط آپ کا

مینیجر نیشنل بکڈپو ایجوکیشنل پبلشرز
۶ا سرکلر روڈ لاہور

جناب مکرم ایڈیٹر صاحب ........ بتسلیم

ایک جلد کتاب "اتحادی افلاسنے" ارسالِ خدمت ہے۔ براہ کرم اپنی اولین فرصت میں اپنے زریں صحیفے کے اندر ریویو شائع کر کے ممنون فرمائیے۔

اس کتاب کی اہمیت کے متعلق میرا کچھ عرض کرنا گویا لقمان کو حکمت کی سکھانا ہے۔ لہٰذا صرف یہی التماس ہے کہ میں اس امر میں جناب کی امداد کا محتاج و مستحق ہوں۔ پس براہ کرم تاخیر نہ فرمائیے! بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ریویو شائع فرما دیجئے کہ آپ کی یہ امداد بھی اس اشاعت میں مدد دے سکتی ہے۔

جن پرچے میں ریویو شائع ہو اس کی ایک کاپی مجھے ضرور رسال کر کے ممنون فرمائیے۔

آپ کا خادم
مینیجر نیشنل بکڈپو اینڈ نیشنل پبلشرز
۱۶، سرکلر روڈ لاہور